فہرست مضامین

شمار	مضامین	مقالہ نگار	صفحہ
۱	افق صحافت پر حق وصداقت کا آفتاب نو	مولانا فیضان المصطفیٰ قادری	5
۲	مشکل احادیث اور حل	مولانا کوثر امام قادری	8
۳	شرعی مسائل	مفتی محمد عالمگیر رضوی	12
۴	رویات باری دلائل وشواہد کی روشنی میں	سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی	16
۵	توحید اور مقدس مقامات کا احترام	مولانا محمد عبد القادر رضوی	21
۶	گستاخ رسول کی سزا عہد رسالت میں	مولانا مولانا محمد اسلم رضا قادری باسنی	25
۷	قانون اہانت رسول عہد جدید میں	مولانا طارق انور مصباحی بنگلور	30
۸	ہند میں آمد خواجہ کی بہار	محمد عطاء الرحمٰن نوری	33
۹	ممتاز قادری کا سانحہ (اظہار خیال)	محمد رضا فراز	35
۱۰	خانہ بدوش بچے	محمد نعیم مصباحی دہلی	37
۱۱	قوت ارادی نہیں تو کچھ بھی نہیں	مولانا صادق رضا مصباحی ممبئی	40
۱۲	نسل نو اور منشیات	مولانا جاوید احمد عنبر مصباحی	43
۱۳	اچھے نام رکھیں اور اچھے نام سے پکاریں	حافظ محمد ہاشم قادری صدیقی	47
۱۴	خطوط وتہنیت	علما ودانشوران	52

﴿نوٹ﴾

مندرجات سے ادارے کا اتفاق ضروری نہیں۔

اداریہ

افقِ صحافت پرحق وصداقت کا آفتابِ نو

از: فیضان المصطفیٰ قادری

ساری خوبیاں اس رب کائنات کو جس نے انسان کو پیدا کیا اور اسے زبان وبیان سکھایا، قلم پیدا کیا اور اسے استعمال کرنے کا ہنر دیا۔ اور بے شمار درود وسلام کے پھول اس کے محبوب کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی بارگاہ میں نثار جنھوں نے اسیرانِ بدر کو لکھنا سکھانے کی خوبصورت سزا دے کر آزادی کا پروانہ دیا تو کائنات میں علم ودانش اور تحریر وقلم کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ معلم کائنات نے مسلمانوں کے ہاتھ میں قلم کیا دیا کہ جو قوم اُمی تھی صاحبِ قلم ہوگئی۔ اس قلم کو نبی نے بھی شرف بخشا، مگر لکھتے نہ تھے لکھاتے تھے، جس سے علم وحکمت پر اجارہ داری کا کلیسائی نظام رخصت ہوا۔ یہ قلم کاتبین وحی سے ہوتا ہوا کاتبین حدیث تک پہنچا، یہاں بھی اس نے اپنا فرض ادا کیا۔ پھر اس کی رسائی فقہائے مجتہدین کی بارگاہ تک ہوئی، امام ابوحنیفہ، امام محمد شیبانی، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل نے جب اسے اپنی توجہات کا مرکز بنایا تو یہی قلم فقہ وقانون کے حوالے سے اسلام کی آفاقیت آشکارا کر گیا۔ امام بخاری امام مسلم امام ترمذی وغیرہ اصحاب سنن وجوامع کی بارگاہ میں پہنچا تو اقوال واعمال واحوالِ رسول کا لازوال ریکارڈ دے گیا، پھر تو علم وفن کا نہ تھمنے والا سلسلہ چل پڑا، مفسرین تفسیریں لکھتے ہیں۔ فقہا فقہ وفتاویٰ لکھتے ہیں۔ محدثین حدیثوں کی تشریحات لکھتے ہیں، متکلمین عقائد وکلام زیب قلم کرتے ہیں، ماہرین تاریخ وسیر تاریخی حقائق لکھتے ہیں۔ ایک سے ایک اعلیٰ دماغ، بڑے بڑے ماہرین، گونا گوں اسالیب، متنوع فنون، ہزاروں موضوعات، تدوین وتصنیف ہو یا ترتیب وتالیف، تسہیل وتشریح ہو یا تحقیق وتدقیق، ہر میدان میں یہ چلتا رہا، کبھی تفصیل کبھی تلخیص، کبھی تنقید کبھی تردید ہر پہلو سے اور ہر اسلوب میں بولتا رہا۔ تین انگلیوں کے اس قیدی نے ساری دنیا کو اپنی نکہتوں کا اسیر بنالیا۔

جب یہ قلم امام السیوطی کی بارگاہ میں پہنچا تو بند ہونا بھول گیا، لوگوں نے اللہ کی قدرت دیکھی کہ قلم کی باریک سی نلی سے ایک سمندر کیسے وجود میں آسکتا ہے۔ ہر فن میں لکھا، ہر موضوع پر لکھا۔ بقول شخصے کسی کے لیے کچھ باقی نہ چھوڑا۔ پھر بھی اس کا سفر جاری رہا۔ بالآخر جب امام احمد رضا کی بارگاہ میں پہنچا تو اس قدر پختہ ہو چکا تھا کہ حال شباب پوچھنے سے نہیں دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ یہاں اس نے جو جو ہر دکھائے گویا قلم کی پوری تاریخ ایک مقام پر سمٹ آئی تھی، حقیقت وعقیدت کی ایسی بوقلمونی کہ نہ اس میں کوئی لچک تھی نہ کجی، نہ الجھاؤ، نہ خامی ، بلکہ جو کچھ لکھا حرف آخر لکھا۔

تحریر وقلم کی اسی تاریخ نے ہمیں یہ ذہن دیا کہ وہ قلم ہی کیا جو اللہ ورسول کی حمایت نہ کرے، حق بیانی کو اپنا محور فکر وخیال نہ بنائے، حرمتوں کی پاسبانی نہ کرے۔ تاریخ شاہد ہے کہ جس قلم نے حرمتوں کی پاسبانی کی ہے وہ حیاتِ جاودانی سے ہم کنار ہوا ہے۔ اور جس نے تفننِ فن کو اپنی جولان گاہ بنایا فن کے فرسودہ ہوتے ہیں وہ قصۂ ماضی بن گیا۔ ہمارے اسلاف کے قلم کی نگارشات کا محور یہی نکتہ رہا۔ ہاں

رنگ و آہنگ الگ الگ ہو سکتے ہیں، چنانچہ امام الشان امام السیوطی کے صفحہ حیات پر خدمت علم کا غلبہ ہے، تو کوئی ان سے ناراض نہیں، مگر امام الشان امام احمد رضا کے صفحہ حیات پر حرمتوں کی پاسبانی کا غلبہ رہا تو حرمتوں سے کھیلنے والے روٹھ گئے۔ ہم ان دونوں قلموں کو آنکھوں سے لگاتے ہوئے انھیں حق وصداقت کا معیار سمجھتے ہیں۔ اور انھیں کی روشنی میں آگے بڑھنے کی کوشش کریں گے۔

امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی تعلیمات، ان کی تصنیفات اور ان کی تمام تر باقیاتِ صالحات ہمارا سب سے بڑا قومی و ملی سرمایہ ہیں۔ انھوں نے ایسا سرمایہ عطا کیا کہ ہمیں کسی کا محتاج نہ رکھا، ہمیں انھوں نے علمی ورثہ عطا کیا، فکر دیا، احترام وعقیدت کا جذبہ دروں دیا، عقیدتوں کو قوت گویائی دی، استدلال کا سلیقہ دیا، عشق رسالت کی روح سے آشنائی دی، اور دلائل و براہین کے حوالے سے حقائق کے اجالے میں لا کھڑا کیا۔ ضرورت یہ ہے کہ ان کی علمی وراثت کو نئے رنگ و آہنگ میں قوم کے سامنے پیش کیا جائے۔ تاکہ جو قوم کلام رضا سن کر جھومتی ہے وہ دلائل کی دنیا کی بھی سیر کرے۔ اور جو لوگ چون و چرا کی بھول بھلیوں میں گم ہیں وہ ذرا سوزِ دروں سے بھی آشنا ہوں۔ اور جو اس سب سے دور ہوں انھیں بھی کچھ نہ کچھ ہاتھ آئے۔

آج ''پیغام شریعت'' کے پلیٹ فارم سے اسلامی صحافت کے میدان میں قدم رکھتے ہوئے ہم قلم کی اس پوری تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو خود کو اسی تاریخ کی سرحدوں میں محدود پاتے ہیں۔ یہ تحریر لکھتے وقت کچھ تو مسرت وشادمانی ہے، لیکن اپنے ناتواں کاندھوں پر ذمہ داریوں کا ایک بوجھ محسوس کرتے ہیں۔ یہ دیانت وامانت کا بوجھ ہے، راست گوئی وصدق بیانی کا بوجھ ہے، جسے چند بھولے بھالے دوستوں نے خود ہی اپنے کاندھوں پر اٹھالیا ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ اس خار دار وادی میں جادہ پیمائی کرنے والے بہت ہیں، بہترین قلم کار نت نئے اسلوب کے ماہرین، الفاظ سے کھیلنے والے زبان آور۔ کچھ کو خاطر خواہ کامیابیاں بھی ملیں، اور کچھ زیادہ سفر طے نہ کر سکے اور تھک ہار کر بیٹھ گئے۔ ہمارا مقدر کیا ہوگا یہ کاتب تقدیر کو معلوم ہے۔ لیکن ہم نے یہ ضروری سمجھا کہ جس قدر استطاعت ہو جو کچھ کر سکیں کیا جائے۔ اس کے پس منظر میں یہ داعیہ کارفرما ہے کہ قوم کو وہ کچھ دیا جائے جس کی اسے ضرورت ہے، نہ کہ وہ جس کی اسے چاہت ہے، وہ جو اس کے حق میں بہتر ہے، نہ کہ وہ جس کی وہ خوگر ہے۔

آج پوری دنیا میں اسلام مخالف عناصر اسلام کے خلاف متحرک اور سرگرم ہیں، ان کا طریقہ کار نعرے اور جذباتی تقریریں نہیں، بلکہ اسلام اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لیے ان کے پاس منظّم منصوبہ ہے۔ جس کے مطابق ان کا کام جاری ہے۔ عالمی سطح پر یہودی لابی کام کر رہی ہے، وہ عالمی سیاست اور بین الاقوامی وسائل پر اس طرح اثر انداز ہیں کہ انھوں نے دنیا کو باور کرادیا ہے کہ ہمارے بغیر دنیا کا کوئی کام آگے نہیں بڑھ سکتا۔ انٹرنیشنل میڈیا پر انھیں کا کنٹرول ہے، عالمی بازار پر ان کی اجارہ داری ہے۔ عالمی بینک پر ان کا قبضہ ہے۔ بڑی بڑی صنعتیں وہ کنٹرول کرتے ہیں۔ اور ان تمام ذرائع کے ساتھ وہ اسلام اور مسلمانوں کی بیخ کنی کے درپے ہیں۔ اس کے لیے دھماکہ دار بیانات یا انقلابی تقریریں نہیں کرتے، بلکہ ان کا ہدف دنیا کے وسائل پر قبضہ کر کے نہ صرف یہ کہ اپنے وجود کو موثر ثابت کرنا بلکہ دوسروں کو عالمی بساط پر غیر موثر بنادینا ہے۔ اسی طرح ہندوستان کی سرزمین پر ہندو انتہا پسند تحریکیں جس طرح سرگرم ہیں، اور مزید منظّم ہوتی جارہی ہیں، یہ سب کو معلوم ہے۔ لیکن ہماری قوم اپنے کردار وعمل سے مسلسل یہ ثابت کر رہی ہے کہ ہم جہاں بانی کی اہلیت تو بہت پہلے ہی کھو چکے ہیں اب ہمارا اپنا جو کچھ بچا کھچا وجود ہے وہ بھی دنیا کے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس دور میں نہیں بلکہ ہر دور میں زندہ قوم کی علامت یہ ثابت کر دکھانا ہے کہ دنیا کی رونق اسی کے دم قدم سے ہے۔ سرگرمیٔ حیات اور دوڑتی بھاگتی زندگی میں اسی کے خون کی حرارت کام کر رہی ہے۔

لیکن ہماری قوم تو اس پورے منظرنامے سے ہی غائب ہے۔ وہ تو ابھی اپنے گھریلو معاملات میں ہی الجھی ہوئی ہے، بلکہ مزید الجھتی جارہی ہے۔ اسے کب اور کہاں سے وہ موقع ملے گا کہ وہ کسی اور طرف توجہ کر سکے۔

دین ہماری سب سے بڑی دولت ہے، لیکن سب سے بڑی امانت بھی ہے۔ ہمیں رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کا پیغام دنیا کے کناروں تک پہنچانے کی ذمہ داری دی ہے۔ لیکن ہم نے امکانات کو اپنے اپنے حلقوں کے تحفظ کی فکر تک محدود کر دیا ہے۔ دین کی امانت دوسروں تک پہنچانے کی نہ کوئی فکر ہے نہ کوئی نظام، نہ کوئی تحریک۔ ایسے عالم میں ہم ایک فکر لے کر چلے ہیں، لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا تو جلد ہی یہ فکر تحریک کی صورت اختیار کر جائے گی۔ ہماری حیثیت تو ایک مشت خاک کی ہے۔ لیکن کوشش کرنا ہی بندے کا کام ہے اور کامیابی بارگاہ رب العزت سے مقدر ہوتی ہے۔ ہم ''پیغام شریعت'' کے پلیٹ فارم سے امام احمد رضا کا مشن لے کر چلیں گے، مثبت فکر کو فروغ دینے کی کوشش کریں گے، غیر ضروری اور لایعنی اختلافات سے احتراز کریں گے۔ کوشش ہوگی کہ علم و تحقیق کا دور دورہ ہو، اور لوگوں کے جذبات کو کیش کرنے کی بجائے نئی نسل کو مثبت سوچ کے ساتھ علمی خدمات کی سمت پیش قدمی کا حوصلہ اور موقع دیا جائے۔

جہاں تک دور حاضر کے میڈیا کی بات ہے ہمیں خوب معلوم ہے کہ آج کا میڈیا اسلامی اصول تو دور کی بات ہے کسی اصول کو تسلیم نہیں کرتا، بلکہ اس کے اپنے خود ساختہ اصول ہوتے ہیں۔ جس قدر وہ دوسرے اصول کی پروا کیے بغیر اپنے اصول پر کاربند رہے گا اسی قدر وہ مقبول عوام ہوگا۔ لیکن ہم اپنے لیے شریعت ہی کے اصول کو اصول تسلیم کرتے ہیں، اور انھیں اصول کے دائرے میں رہتے ہوئے ''پیغام شریعت'' کے پلیٹ سے ''پیغام محبت'' عام کرنے کی کوشش کریں گے۔

حالات تقاضا کر رہے ہیں کہ میڈیا کے اس دور میں جب مختلف تنظیمیں اپنے مفاد کو سامنے رکھتے ہوئے میڈیا کو رتیج دیتی ہیں۔ اس کا لحاظ نہیں کیا جاتا کہ مفاد عامہ کو نقصان پہنچے گا یا نہیں، ایک ایسے مجلّے کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی ہے جو مفاد عامہ کا خیال رکھے، قوم کی مجموعی حالت پر نظر رکھے، اور جس مواد اور فکر کی اشاعت کرے اس سے پہلے ہزار بار سوچ لے کہ کہیں یہ ملت کے لیے نقصان دہ تو ثابت نہ ہوگا۔

اس کا مقصد یہی ہے کہ مسلک اہل سنت و جماعت کی ترویج و اشاعت کے ساتھ ساتھ باہمی تعاون اور یک جہتی کو فروغ دیا جائے۔ اور ایسے امور کو ہوا نہ دی جائے جو مضر اختلافات کی راہ دکھاتے ہیں۔ علمی، فقہی، تبلیغی، مذہبی تحریکات اور سرگرمیوں کو بھرپور کوریج دی جائے تاکہ ان کو فروغ ملے۔ علمائے کرام کو ایک میڈیا فراہم کیا جائے کہ وہ اپنی بات کہہ سکیں۔ اور قوم کو موقع دیا جائے کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کر سکے۔

ہماری یہ بھی کوشش ہوگی کہ قارئین کے سوالات خواہ وہ فقہی ہوں یا سماجی یا فکری ان کے تسلی بخش جواب تلاش کریں۔ نیز پوری دنیا میں اہل سنت و جماعت کے کام جہاں کہیں بھی ہو رہے ہیں ان کی ترجمانی کی جائے تاکہ ان کا آپسی رشتہ مضبوط ہو اور ان کے دینی کام کو مزید استحکام ملے۔ وما توفیقنا الا باللہ

فیضان المصطفےٰ قادری

Email : Faizanulmustafa@yahoo.com

درس حدیث (قسط اول)

احادیث کریمہ۔مشکلات اور حل

از: مولانا کوثر امام قادری مہراج گنج

ارباب علم ودانش اور اصحاب فکر ونظر آشنا ہیں کہ گفتگو میں تضاد، کلام میں تعارض، مفہوم کی ادائیگی میں باہمی تصادم اور اظہار مقصود میں تناقض بہت ہی مکروہ وناپسند چیز ہے۔ کیوں کہ یہ جہاں کلام کے حسن کو متاثر کرتی ہے وہیں ادائیگی مافی ضمیر کی لیاقت وصلاحیت پر بھی زد پہنچاتی ہیں، اور اس سے واضح ہوتا ہے کہ متکلم قوت حافظہ سے محروم اور فکر وعمل میں یکسانیت، استحکام، استقامت وصلاحیت سے خالی ہے۔

ظاہر ہے کہ جب عام انسانوں کے کلام میں تعارض وتناقض حد درجہ معیوب ہے تو پھر وحی ربانی میں اس کا امکان کیوں کر متصور ہوسکتا ہے۔

تاہم باب فضائل، باب احکام، باب مناقب، باب سیر وغیر ہا میں بہت ساری حدیثیں ایسی ملتی ہیں کہ اگر آدمی توجہ کے ساتھ مطالعہ نہ کرے تو الجھن کا شکار ہو جائے، جب کہ بعض ایسی بھی حدیثیں سامنے آتی ہیں کہ جن پر جتنی ہی توجہ دی جائے مشکلات میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔

یہاں پر یہ بات ذہن میں محفوظ رکھنا چاہیے کہ وحی الٰہی یعنی احادیث میں تعارض وتناقض کا موجود ہونا الگ چیز ہے، اور ہمیں تعارض نظر آنا الگ چیز ہے۔ کیوں کہ قاری جس وقت دورانِ مطالعہ ایسی مشکلات سے دوچار ہو کر اہل علم کی دہلیز تک پہنچتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ تعارض دراصل اس کے ناقص فہم کے سبب پیدا ہوا ہے۔

دو روایتوں کے مابین محسوس تعارض کو رفع کرنا علم حدیث کا ایک دل چسپ موضوع ہے۔ لیکن اس کے لیے بہت وسیع مطالعہ درکار ہے، جب تک علم حدیث میں تبحر نہ ہو اس موضوع پر کچھ لکھنا آسان نہیں۔ لیکن دوسری طرف یہ موضوع اس قدر ضروری ہے کہ اس کے بغیر متعدد احادیث کے صحیح معانی متعین نہیں ہو پاتے ،اور کتنے لوگ ایک روایت کا غلط مفہوم سمجھ کر ایک ایسا تصور قائم کر لیتے ہیں جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اور کبھی کبھی طالبانِ علم حدیث کے لیے دو مختلف روایتیں تشویش کا باعث بن جاتی ہیں۔ اس موضوع کو اسلاف محدثین نے اس قدر اہمیت دی کہ اسی موضوع پر کتابیں تصنیف کیں، جن میں علامہ ابن قتیبہ دینوری کی تاویل مختلف الحدیث اور امام طحاوی کی مشکل الآثار کو آفاقی شہرت حاصل ہوئی۔

ہم اپنے طلبہ اور قارئین کی دل چسپی اور افادیت کے لیے اس موضوع پر اپنا مطالعہ پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ذیل میں اسی طرح کی متعدد حدیثیں پیش کی جارہی ہیں اور ظاہری طور پر جو اشکال وارد ہو رہے ہیں ان کا حل بھی بیان کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

پہلی حدیث: عن أبي هريرة رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لاتجعلوا بيوتكم قبوراً ولاتجعلوا قبري عيداً وصلوا عليَّ فان صلاتكم تبلغني حيث كنتم ۔(سنن ابوداود باب زیارۃ القبور)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور

قبر کو عید نہ بناؤ اور مجھ پر درود شریف پڑھو بیشک تمہارا درود شریف مجھے پہنچ جاتا ہے تم کہیں بھی ہو۔

بعض سطحی ذہن رکھنے والوں نے اسی حدیث سے زیارت روضۂ رسول کی ممانعت کا مفہوم اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگر اس مفہوم کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو یہ حدیث حسب ذیل حدیث کے متعارض ہو جائے گی۔

عن عبدالله بن عمر رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من زار قبري وجبت له شفاعتي. (سنن دارقطنی جدل۲/۲۷۸)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

اور اس طرح کی سیکڑوں احادیث وآثار زیارتِ قبور اور زیارتِ روضۂ رسول کے سلسلے میں وارد ہوئی ہیں، وہ سب کے سب یکلخت متعارض ہو جائیں گی۔

حل اشکال:

علمائے اسلام نے سطحیت سے بالاتر ہو کر پہلی حدیث کا ایسا مفہوم ومعنی متعین کیا ہے کہ حدیث کا حقیقی مفہوم بھی واضح ہو گیا اور تعارض کی صورت بھی پیدا نہ ہوئی۔

حافظ عبدالعظیم منذری فرماتے ہیں:

يحتمل أن يكون المراد به الحث على كثرة زيارة قبره صلى الله عليه وسلم وان لايهمل حتى لايزار الا في بعض الاوقات كالعيد الذى لاياتي في العام الا مرتين قال يويد هذا التاويل ما جاء في الحديث نفسه لاتجعل بيوتكم قبوراً اي لاتترك الصلاة في بيوتكم حتى تجعلوها كالقبور التي لايصلى فيها ۔(شفاءالسقام۸۰)

اس میں احتمال ہے کہ آپ کی مراد قبر شریف کی زیارت پر ابھارنا ہو، اور یہ کہ اس میں سستی نہ کرے، جیسا کہ عید کہ وہ سال میں صرف دو مرتبہ آتی ہے۔ اس تاویل کی موید وہ حدیث ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ یعنی وہاں نماز پڑھنا ترک نہ کرو کہ وہ قبور کی طرح ہو جائیں کہ جہاں نماز نہیں پڑھی جاتی۔

امام تقی الدین سبکی فرماتے ہیں:

ويحتمل ان يكون المراد لاتتخذوا له وقتاً مخصوصا لاتكون الزيارة الا فيه كما ترى كثيراً من المشاهد لزيارتها يوم معين كالعيد، وزيارة قبره صلى الله عليه وسلم ليس فيها يوم بعينه بل أى يوم كان ۔ (شفاءالسقام۸۰)

اور اس میں یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ زیارت کو کسی خاص وقت کے ساتھ مخصوص نہ کرو جیسا کہ عام مشاہد کے بارے میں تو نے دیکھا کہ ان کی زیارت یوم خاص میں کی جاتی ہے جیسے کہ عید، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کسی معین دن کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ جس دن چاہے کرے۔

واضح ہوا کہ ان دونوں حدیثوں کا ایسا معنی متعین کیا جائے کہ تعارض رفع ہو جائے، اور ہر دو حدیث معنی/مراد کے اعتبار سے ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہو سکیں۔

دوسری حدیث: عن انس بن مالك رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الانبياء أحياء في قبورهم يصلون. (مسند ابویعلی جلد۶،۱۴۷)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاے کرام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں۔

یہ حدیث بعد وصال حیات انبیاء کرام کے سلسلے میں بالکل

واضح ہے، لیکن بعض لوگ حسب ذیل حدیث پیش کر کے اس واضح مفہوم کو بھی مکدر کرنا چاہتے ہیں۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه ان رسول الله ﷺ قال ما من احد يسلم عليَّ الا رد الله روحي حتى أرد عليه السلام۔ (سنن ابوداود باب زیارۃ القبور)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب بھی کوئی مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح کو میری طرف لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

''روح لوٹانے'' سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ جسم اقدس میں روح موجود نہیں ہوتی، جب کوئی بندہ سلام بھیجتا ہے تو روح واپس آتی ہے، اور جب تک جسم پاک روح سے خالی ہوتا ہے بہر حال وہ بے حس وحرکت ہے، اور یہی موت ہے۔ لہٰذا پہلی حدیث جس میں بعد وصال زندگی کا ذکر ہے دوسری حدیث سے باہم متصادم ہوگئی۔

حل اشکال:

یہ اشکال اس لیے پیدا ہوا کہ بعض لوگوں نے 'ردِّ روح' سے مراد روح کی واپسی لی، جب کہ علماء اسلاف نے اس کا بڑا حسین معنی مراد لیا ہے جس نے تعارض واشکال کو بالکل ختم کر دیا ہے۔

علامہ ابن ملقن فرماتے ہیں:

والمراد برد الروح النطق لانه ﷺ حيٌّ في قبره وروحه لاتفارقه لما صح ان الانبياء أحياء في قبورهم يصلون (تحفة الذاكرين للشوكاني ۲۸)

اور ردِّ روح سے مراد یہاں نطق ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر میں زندہ ہیں، اور آپ کی روح آپ سے جدا نہیں ہوتی جیسا کہ حدیث شریف میں مروی ہے انبیاء کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں۔

امام ابوالحسن بکری فرماتے ہیں:

واعلم أن الانبياء أحياء في قبورهم يصلون وهذا الحديث ليس ظاهره مراداً، وانما المراد بروحي منطقي لان قوة النطق لازمة للروح فعبر بها عنها. (جواہر البحار للنبہانی ۱۵۳/۴)

جان لو کہ حضرات انبیاء کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور اس حدیث کا ظاہر مراد نہیں، یہاں ردروح سے مراد نطق ہے، کیوں کہ قوت نطق روح کے لیے لازم ہے، لہٰذا یہاں نطق کو روح فرمادیا گیا۔

تیسری حدیث:عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم انه قال لاتفضلوا بين أنبياء الله فانه ينفخ في الصور ليصعق من في السموات ومن في الارض الا من يشاء الله ثم نفخ فيه اخرى فأكون أول من بعث فاذا موسى آخذ بالعرش فلا أدري أحوسب بصعقة يوم الطور أم بعث قبلي.

(حياة الانبياء في قبورهم للبيهقي)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے انبیاء کرام کو باہم دوسرے پر فضیلت نہ دو اس لیے کہ جب صور پھونکا جائے گا تو آسمان وزمین کی ہر جان پر غشی طاری ہو جائے گی، پھر دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب سے پہلے مجھے اٹھایا جائے گا اچانک (میں دیکھوں گا) کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کو پکڑے ہوئے ہوں گے، میں نہیں جانتا کہ کیا طور کی بیہوشی ہی ان کو کفایت کرے گی یا وہ مجھ سے پہلے اٹھائے جائیں گے۔

امام بخاری نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت کی تخریج کی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

لاتخيروني بين الانبياء (بخاری جلد ا ص ۳۲۵)

اورحضرت ابو ہریرہ کی روایت ان لفظوں کے ساتھ بیان کیا ہے:

لاتخيروني على موسى. (بخاری ۱/۳۲۵)

احادیث مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبی وکمال بیان کرتے ہوئے کسی بھی دوسرے نبی پر آپ کو فضیلت نہیں دینا چاہیے، بلکہ سارے انبیا برابر ہیں اور سب کے سب خوبی وکمال، فضائل ومناقب میں مساوی ہیں۔

جب کہ اس کے برخلاف حسب ذیل حدیث ہے:

عن أبي هريرة رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال فضِّلت على الانبياء بست أعطيت جوامع الكلم، ونصرتُ بالرعب وأحلت لي الغنائم وجعلت لي الارض طهوراً ومسجداً و أرسلت الى الخلق كافة وختم بي النبيون. (مسلم جلد اول ۱۷۳)

یہ اور اس طرح کی کثیر احادیث مبارکہ سے آپ کی افضلیت اور تمام انبیا ومرسلین پر فوقیت ثابت ہے۔ لہٰذا دونوں طرح کی حدیثوں پر سرسری نگاہ ڈالنے والا ان میں باہم اشکال محسوس کرتا ہے جسے دور کرنا ضروری ہے۔ تا کہ معاندین کو چور دروازے سے آنے کا موقع نہ ملے۔

حل اشکال:

جب دلائل قطعیہ اور نصوص کثیرہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام انبیا ومرسلین سے افضل ہونا ثابت ہے تو ان حدیثوں کا کیا مطلب ہے جن میں دیگر انبیا پر فضیلت دینے سے منع کیا گیا ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں اس سے روکا؟ اس کے متعدد جوابات دے کر حل اشکال کی کوشش فرمائی گئی ہے۔

امام بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں:

علامہ ابن التین نے کہا ہے کہ 'انبیا میں کسی کو فضیلت نہ دو' اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ بغیر علم کے کسی نبی کو کسی پر فضیلت نہ دو، ورنہ انبیائے کرام کی ایک دوسرے پر فضیلت کو اللہ تعالیٰ نے خود قرآن میں بیان فرمایا ہے:

تلک الرسلُ فضَّلنا بعضَهم على بعض (بقرہ ۲۵۳) یہ سب رسول ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی افضلیت کا علم ہونے سے پہلے یہ فرمایا تھا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس طرح فضلیت دینے سے منع فرمایا ہے کہ دوسرے نبی کی تنقیص کو مستلزم ہو۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فضلیت دینے سے منع فرمایا ہے جو دوسرے نبی کی دل آزاری کا موجب ہو۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس نبوت میں فرق کرنے سے منع فرمایا ہے۔

چھٹا جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ قول تواضع پر محمول ہے۔

(عمدۃ القاری جلد ۱۲، ۲۵۱)

حضرت امام ابن الخلال امام احمد سے نقل کرتے ہیں:

وذهب فيه الى أن النبي صلى الله عليه وسلم انما أراد التواضع. (السنۃ لابن الخلال جلد اول ۱۹۲)

اس میں وہ یعنی امام احمد اس طرف گئے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تواضعاً فرمایا ہے۔

قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں:

انه قال ﷺ على طريق التواضع ونفي الكبر والعجب. (شفا شریف جلد اول ۱۴۲۔۱۴۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بطور تواضع اور تکبر وغرور کی نفی کے طور پر فرمایا ہے۔ (جاری)

فقہ وفتاویٰ

شرعی مسائل

(مفتی) محمد عالمگیر مصباحی رضوی دارالعلوم اسحاقیہ، جودھپور

غیر مسلم کو قرآن کی تعلیم کیسے دی جائے

سوال کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسائل ذیل کے بارے میں:

۱. غیر مسلم کو قرآن کی تعلیم دینا کیسا ہے؟

۲. غیر مسلم کو تعویذ دینا کیسا ہے؟

المستفتی: مولانا محمد رفیق عالم اشرفی، خطیب وامام نوری جامع مسجد کبیر نگر، جودھپور

الجواب:

اللّٰھُمَّ ھِدایةَ الحَقِّ والصّواب

۱. قرآن پاک چھونے اور پڑھنے کے لیے خود مسلم کو بھی پاک وصاف اور باوضو ہونا شرط ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لاَ یَمَسُّهُ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (سورۃ واقعہ ۷۹) اوراسی کے تحت تفسیرات احمدیہ صفحہ ۴۵۹ر پر ہے: **اي لايمس هذا القرآن الا المطهرون من الاحداث فلا يمسه المحدث ولا الجنب ولا الحائض والنفساء**"

غیر مسلم غسل جنابت کا صحیح اہتمام نہ کرنے نیز عدم اجتناب نجاست کی وجہ سے فقہی نقطہ نظر کے مطابق پاک نہیں ہوتے، جیسا کہ تفسیرات احمدیہ صفحہ ۲۹۸ر میں **انما المشركون نجس** کے تحت ہے: "**انما المشركون ذونجس لان النجس بفتحتين عين النجاسة ولانهم لا يتطهرون ولا يغتسلون ولا يجتنبون النجاسات فهي ملابسة لهم**"

لہٰذا اگر وہ غسل وطہارت کامل کا اہتمام کرے یعنی شرعی طریقہ پر غسل وضو کرے اور قرآن مقدس چھوتے اور پڑھتے وقت طہارت کاملہ کا التزام رکھے تو ان کو قرآن کی تعلیم دی جاسکتی ہے ورنہ نہیں۔ جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ کتاب الکراہیۃ میں ہے: **قال ابو حنيفة رحمه الله تعالىٰ اعلم النصر انى الفقه والقرآن لعله يهتدى ولا يمس المصحف وان اغتسل ثم مس لا باس كذا فى الملتقط** (ج ۵رص ۳۲۳ر) واللہ تعالیٰ اعلم

۲. غیر مسلم کو آیات قرآنیہ اور اسمائے الٰہیہ وکلمات طیبہ لکھ کر بطور تعویذ دینا جائز نہیں کہ وہ اس کا ادب ملحوظ نہ رکھیں گے ہاں اگر اس کے اعداد لکھ کر دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ امام اہل سنت علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں غیر مسلم کو آیات قرآنی لکھ کر ہرگز نہ دی جائیں کہ اسائت ادب کا مظنہ ہے بلکہ مطلقاً اسمائے الٰہیہ ونقوش مطہرہ نہ دیں کہ ان کی بھی تعظیم واجب ہے بلکہ دیں تو ان کے اعداد لکھ دیں۔ (فتاویٰ رضویہ ج ۹ر، ص ۲۰۹ر نصف آخر) واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆

ایک ساتھ عورت ومرد کی نماز جنازہ کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ عورت اور مرد یونہی بالغ ونابالغ بچے کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟ المستفتی: مولانا محمد جمیل قادری، مدرس دارالعلوم غریب نواز، بیکانیر، راجستھان

الجواب: عورت اور مرد یونہی بالغ ونابالغ بچے کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھ سکتے ہیں مگر اولیٰ اور افضل یہی ہے کہ ہر

ایک کی نماز جنازہ الگ الگ پڑھی جائے۔ جیسا کہ درمختار ورد المختار میں ہے: **اذا اجتمعت الجنائز فافراد الصلاة على كل واحد اولىٰ من الجمع** (ص۱۱۸رج۳ر) ایسا ہی فتاویٰ مصطفویہ ص۲۶ر میں بھی ہے۔

اور امام سے قریب بالغ اور نابالغ میتوں کو اس ترتیب سے رکھیں کہ جب امام نماز جنازہ کے لیے کھڑا ہو تو سب کے سینوں کے مقابل کھڑا ہو کہ یہی سنت ہے۔ ردالمختار میں ہے **لا ن السنة هي قيام الامام بحذاء الميت** (ج۳رص۱۱۸ر) جیسے اگر میت مرد اور نابالغ بچہ مخنث یا قریب البلوغ عورت کی ایک ساتھ جمع ہو جائے تو امام کے قریب مرد پھر نابالغ بچہ پھر مخنث پھر بالغ عورت پھر قریب البلوغ عورت کو رکھا جائے۔ درمختار و ردالمختار میں ہے **فيقرب منه الافضل فالافضل الرجل مما يليه فالصبى فالخنثى فالبالغة فالمراهقة** (ج۳ر ص۱۱۹ر) ایسی صورت میں سب سے پہلے بالغین کی نماز جنازہ والی دعائیں پڑھے پھر نابالغین والی دعائیں پڑھے ایسا ہی فتاویٰ مصطفویہ ص۲۹۰ر میں ہے اور اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں حضور فقیہ ملت علیہ الرحمہ لکھتے ہیں ''اختیار ہیں کہ چاہے سب کی نماز جنازہ ایک ساتھ پڑھیں یا الگ الگ دونوں صورتیں جائز ہیں۔ مگر الگ الگ پڑھنا بہتر ہے اور افضل کا مقدم کرنا افضل ہے۔ (فتاویٰ فقیہ ملت ج ار،ص۲۶۰رکتاب الجنائز) واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆

عورت پر مسلمان ہونے کی نشانی نہ ہو تو نماز جنازہ کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ایک مردہ عورت ملی مگر اس کے مسلمان ہونے کی کوئی نشانی نہیں پائی گئی تو کیا اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں۔

المستفتی : مولانا محمد یونس مصباحی، مدرس دارالعلوم فیضان اشرف، باسنی ناگور شریف

الجواب : صورت مستفسرہ میں دیکھا جائے گا اگر اس کی وضع وقطع مسلمانوں جیسی ہو یا کوئی ایسی علامت ہو جس سے اس کا مسلمان ہونا ثابت ہو یا مسلمان کے محلّہ میں ملی تو اسے غسل و کفن دیں اور نماز جنازہ پڑھیں ورنہ نہیں۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: **من لا يدرى انه مسلم او كافر فان كان عليه سيما المسلمين اوفى بقاع دارالسلام يغسل والا فلا كذا في معراج الدراية** (ج ارص۱۵۹ر) اور ایسا ہی بہار شریعت حصہ چہارم ص۱۳۷ر پر بھی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆

'اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے' کہنے کا حکم شرع

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ زید نے یہ شعر کہا ''اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے۔ جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد سے۔'' دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ بالا شعر کہنا جائز ہے یا نہیں اور اس کا صحیح مطلب کیا ہے اور اس کے قائل پر کیا حکم عائد ہوتا ہے؟

المستفتی : عبدالرحیم، بمبہ بڑی مسجد کے پاس، جودھپور

الجواب : یہ شعر کفر صریح ہے اس کا قائل اور اس کو صحیح سمجھنے والا اسلام سے خارج کافر و مرتد ہے۔ اس پر علانیہ توبہ و تجدید ایمان فرض ہے اور اگر بیوی والا ہو تو تجدید نکاح بھی کرے۔ جیسا کہ فقیہ اعظم ہند شارح بخاری سید الکریم حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ والرضوان اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں یہ شعر کفر صریح ہے اس کا قائل اور اس کا سمجھنے والا اسلام سے خارج مرتد ہے اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی اس پر فرض ہے کہ فوراً توبہ کرے۔ کلمہ پڑھ کر پھر سے مسلمان ہو اور اپنی بیوی کو رکھنا چاہتا ہے تو تجدید

نکاح کرے۔ اللہ عزوجل کے قبضۂ قدرت میں سارا عالم ہے سب کچھ ہے اسی کی دین سے انبیاء کرام واولیاء کرام کو ملا ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ اللہ کے پلے میں وحدت کے سوا کیا ہے کفر صریح ہے۔ قرآن مجید کی آیات اور احادیث کا انکار کفر صریح ہے۔ (فتاویٰ شارح بخاری ج ۱ ص ۲۵۷) واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆

ڈرافٹ یا ہنڈی کے ذریعہ رقم منتقل کرنے کا شرعی حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بینکوں کے ڈرافٹ کے ذریعہ جو روپے ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجے جاتے ہیں اس میں سقوط خطر طریق کا فائدہ ہوتا ہے یہ ہنڈی ہے یا حوالہ اور اس کا کیا حکم ہے۔ نیز آج کل پرائیویٹ کمپنیاں ایک ملک سے دوسرے ملک لوگوں سے نوٹ حاصل کر کے بھیجتی ہیں اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک ملک کا نوٹ عوام سے لیتی ہیں اور اس کا طے شدہ زر مبادلہ دوسرے ممالک میں اپنے آدمی کے ذریعہ ادا کر دیتی ہیں۔ یہ ہنڈی ہے یا حوالہ یا کچھ اور؟ اور بہر حال یہ جائز ہے یا نہیں واضح ہو کہ وہ عوام سے کچھ فیس بھی وصول کرتی ہیں۔

السائل : مولوی محمد بشیر احمد اشفاقی، خطیب وامام، سید صفت حسین کالونی، جودھپور

الجواب: بینکوں کے ڈرافٹ کے ذریعہ جو روپے ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجے جاتے ہیں یہ نہ ہنڈی ہے نہ حوالہ بلکہ اجارہ ہے اور عندالشرع جائز ہے اگر چہ اس میں سقوط خطر طریق فائدہ ہوتا ہے لیکن یہ عوض سے خالی نہیں ہوتا بلکہ بینک اپنے اصول کے مطابق لوگوں سے اس کی اجرت لیتا ہے اس لحاظ سے اس کی حیثیت ایک اجیر مشترک کی ہے جو ایک وقت میں مختلف لوگوں کے کام کرتا ہے اور اپنے کام کے لحاظ سے مزدوری پاتا ہے۔ جیسے دھوبی، درزی وغیرہ۔ ہدایہ کتاب الاجارہ ج ۳ ص ۲۹۴ میں ہے **الاجارة قد تكون عقدا على العمل كاستئجار القصّار والخياط وذالك في اجير المشترک ا ه ملخصا** اور بنایہ کتاب الاجارہ ج ۱ ص ۲۳۰ میں ہے: "**اما الاجارة على الاعمال فكاستئجار الاسكاف والقصار والصباغ و سائر من يشترط عليه العمل في سائر الاعمال من حمل الاشياء من موضع ونحوه**" یہی حکم پرائیویٹ کمپنیوں کا بھی ہے جو لوگوں سے نوٹ لے کر اس کا طے شدہ مبادلہ اپنے آدمی کے ذریعہ ایک ملک سے دوسرے ملک بھیجتی ہیں یہ بھی نہ ہنڈی ہے نہ حوالہ بلکہ اجارہ ہے جو عندالشرع جائز و مباح ہے، اس لیے کہ یہ بھی عوض سے خالی نہیں، بلکہ کمپنیاں لوگوں سے اس کی اجرت وصول کرتی ہیں البتہ ناجائز اس وقت ہوتا ہے جب کہ کمپنیاں فیس وصول نہ کرتیں کہ یہ قرض دے کر نفع حاصل کرنا ہوتا جو عندالشرع حرام ہے اور اگر کوئی کمپنی بغیر فیس لیے کاروبار کرتی ہے تو وہ حرام ہے۔ **هٰذا ما عندي والعلم بالحق عند ربي عزوجل والله تعالىٰ اعلم**

☆☆☆

دوکان کے لیے پگڑی کا شرعی حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ آج کل عام بات ہے دوکان کو کرایہ پر دینے کے لیے پگڑی کے نام سے لاکھوں روپے لیتے ہیں۔ پگڑی لینا دینا کیسا ہے لینے والے کے لیے کیا حکم ہے اور دینے والے کے لیے کیا حکم ہے؟ المستفتی

مولانا محمد انور مصباحی، مکرانہ، ضلع ناگور شریف

الجواب: دوکان کو کرایہ پر دیتے وقت جو رقم پگڑی کے نام پر لیتے ہیں یا دیتے ہیں یہ ناجائز وحرام ہے کہ یہ نہ تو تحفہ وہدیہ ہے نہ کسی چیز کا معاوضہ بلکہ اپنا کام نکالنے اور اپنی غرض پوری کرنے کے لئے ایک فاضل رقم کی پیش کش ہے ایسی فاضل رقم کو

رشوت کہا جاتا ہے جو حرام ہے فتاویٰ فیض الرسول میں ہے کرایہ پر مکان لینے کے لئے کچھ روپیہ کرایہ کے علاوہ پگڑی کے نام پر دینا لینا حرام وناجائز ہے۔ **لا نہ لزوم مال مبتداء فیکون بطریق الرشوۃ وھو حرام** (ج۲؍ص۴۱۶؍) دینے والا اگر بجبوری دے رہا ہے تو اس کے لیے دینے میں حرج نہیں مگر لینے والے کے لیے کسی حالت میں جائز نہیں مطلقاً گناہ کبیرہ کا مرتکب اور مستحق عذاب نار ہے۔ امام اہل سنت علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں رشوت لینا مطلقاً گناہ کبیرہ ہے لینے والا حرام خوار ہے مستحق سخت عذاب نار ہے دین دینا اگر بجبوری اپنے اوپر سے دفع ظلم کو ہو تو حرج نہیں اور اپنا آتا وصول کرنے کو ہو تو حرام ہے۔ لینے دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔ **فی وصایا الھندیۃ عن فتاویٰ الامام قاضی خان ان بذل المال لاستخراج حق لہ علی غیرہ رشوۃ وان بذل لدفع ظلم عن نفسہ اومالہ لم یکن رشوۃ** (فتاویٰ رضویہ ج۷؍ص۱۷۴؍) ایسا ہی بہار شریعت حصہ ۱۶؍ص ۲۵۶؍ میں ہے لیکن آج کل لوگ بڑے شہروں میں عام طور پر پگڑی کے لین دین میں مبتلا ہو چکے ہیں اور اسے چھوڑنا ان کے لئے بہت ہی دشوار ہے۔ لہٰذا ان کے لیے حل کی راہ یہ ہے کہ معاملہ پگڑی کا نہ کریں بلکہ پگڑی پر جتنی رقم لینی دینی منظور ہو وہ دوکان کی زمین کا کرایہ طے کریں۔ اور جو کرایہ ماہانہ عام طور پر ہوتا ہے وہ عمارت کا مقرر کر لیں اگر معاملہ ایسا ہو سکے تو ٹھیک ہے ورنہ مطلقاً کرایہ کے علاوہ پگڑی کے نام پر لاکھوں روپئے لینا حلال نہیں۔ **ھذا ما عندی والعلم بالحق عند ربی عزوجل واللہ تعالیٰ اعلم.**

☆☆☆

مسجد کی عمارت سے طہارت خانہ الگ کرنا

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ ہمارے یہاں جامع مسجد کی دو منزلہ عمارت ہے اور اوپر والی منزل پر نماز پنجگانہ کرتے ہیں۔ نچلی عمارت میں آدھے حصہ پر نماز پڑھتے ہیں اور آدھے حصہ پر وضو خانہ واستنجا خانہ وغیرہ بنوائے ہوئے ہیں مسجد کے قریب ہی مسجد کی خالی زمین واقع ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ نماز جمعہ و رمضان شریف میں نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے موجودہ مسجد کی بلڈنگ سے استنجا خانہ ووضوخانہ کو قریب والی زمین پر منتقل کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

السائل : بشیر احمد سکندری، جیتارن، ضلع پالی (راجستھان)

الجواب : بروقت جس جگہ پر وضوخانہ و بیت الخلا بنے ہوئے ہیں اس جگہ سے ان کو منتقل کرنا شرعاً جائز و درست ہے۔ مسجد کی افتادہ زمین میں وضوخانہ و بیت الخلا منتقل کر کے اس زمین میں مسجد کی تعمیر وتوسیع کرنا شرعاً جائز و درست ہے۔ جیسا کہ حدیث صحیح میں وارد ہے **جعلت لی الارض مسجدا و طھوراً** (مشکوٰۃ شریف باب فضائل سید المرسلین)

اور جیسا کہ فتاویٰ امجدیہ جلد سوم میں ہے: **ان المسجد انما یصیر مسجدا بجعلہ فاذا بنی فوقہ او تحتہ بیتا او سردابا لمصالحہ لم یجعل ھذا القدر مسجدا بخلاف ما اذا تمت المسجدیۃ ولم یجعل تحتہ ولا فوقہ شیئا فقد صارا مسجدا فی جانبیہ الی منقطع الجھتین** (ج۴؍ص۱۹۱؍) فقیہ ملت حضرت مفتی جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

مسجد بنانے کے لیے زمین دینے سے کل زمین مسجد نہیں ہوتی اسی لیے اس زمین کے بعض حصے پر وضو خانہ و بیت الخلا (استنجا خانہ) وغیرہ ضروریات مسجد کی چیزیں بنانا بھی جائز ہے۔ (فتاویٰ فقیہ ملت ج۲؍ص۱۴۸؍) واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ (مفتی) **محمد عالمگیر المصباحی الرضوی عفی عنہ**

خادم تدریس وافتا، دارالعلوم اسحاقیہ، جودھپور، راجستھان

رویت باری تعالیٰ دلائل کی روشنی میں

(قسط اول)

سید محمد اکرام الحق قادری مصباحی پرنسپل دارالعلوم محبوبِ سبحانی ممبئی

ماہِ رجب المرجب کی آمد پر اہلِ سنت و جماعت نہایت والہانہ انداز میں واقعاتِ سیرِ معراج کو بیان کرتے، الطافِ ربانی اور قدرت کی بندہ نوازیوں کا تذکرہ کرتے اور عشقِ رسالت سے سرشار ہوکر بڑے ہی الفت ومحبت کے پیرایہ میں دلائل وشواہد کے ساتھ اس قرآنی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قافلۂ نبوت و رسالت کے سالار اور جملہ انبیا و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سردار ہیں اور احادیثِ نبویہ، اقوالِ صحابہ، تصریحاتِ ائمہ اور توضیحاتِ مفسرین سے اکتسابِ فیض کرتے ہوئے یہ ثابت کرتے ہیں کہ شبِ معراج میں اللہ کے یہ عبدِ کامل حسنِ ازلی کا دیدار کرنے کے لیے حریم قدس میں ''دنا فتدلی،، کی منزلیں طے کرتے ہوئے قربِ الٰہی کے اُس مقامِ رفیع پر فائز ہوئے جس کی تعبیر زبانِ قدرت نے ''فکان قاب قوسین او ادنیٰ،، کے پیارے ودل کش کلمات سے فرمائی۔ نہ اس سے مزید قرب کا تصور کیا جاسکتا ہے اور نہ اس قربِ خاص کے بیان کے لیے اس سے عمدہ اسلوب اختیار کیا جاسکتا ہے۔

دوسری جانب غیر مقلدین اپنی ساری توانائی اس بات پر صرف کرتے ہیں کہ شبِ معراج رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے سر کی آنکھوں سے رب تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا اور رویتِ باری تعالیٰ کا قول کرنے والے اہلِ سنت و جماعت کی شان میں اپنی زبانِ طعن وملامت دراز کرتے اور ان کے لیے نہایت جرأت وبیباکی کے ساتھ نامناسب الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ انٹرنیٹ پر موجود غیر مقلد عالم توصیف الرحمٰن وغیرہ کی تقریریں اس کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ حالانکہ دیدارِ الٰہی کا مسئلہ قطعیات و یقینیات سے نہیں کہ فریقِ مخالف کو طعن و ملامت کا شکار بنایا جائے بلکہ ظنیات کے قبیل سے ہے۔ شروع ہی سے کبارِ صحابہ وتابعین کے مابین اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے، لیکن چونکہ اِس ظنی مسئلہ کولیکر اہلِ سنت و جماعت پر منکرینِ تقلید کی جانب سے اعتراضات کی بوچھار کی جارہی ہے اور انہیں تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے، اس لیے اقوالِ ائمہ اور عباراتِ محدثین ومفسرین سے اخذ کرتے ہوئے عوامِ اہلِ سنت کے لیے اس مسئلہ پر کچھ اہم باتیں لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اِس دنیا میں بیداری کے عالم میں رب تبارک وتعالیٰ کا دیدار عقلاً ممکن ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، شرح عقائدِ نسفی میں ہے:

''و رؤية اللہ تعالیٰ بمعنی الانکشاف التام بالبصر وھو معنیٰ اثبات الشئی کما ھو بحاسة البصر، و ذٰلک انا اذا نظرنا الیٰ البدرثم اغمضنا العین فلا خفاء فی انہ و ان کان منکشفا لدینا فی الحالتین لٰکن انکشافہ حال النظر الیہ اتم و اکمل ولنا بالنسبة الیہ حینئذ حالة مخصوصة ھی المسماة بالرؤية، جائزة فی العقل بمعنی ان العقل اذا خلی و نفسہ لم یحکم بامتناع رؤية ما لم یقم لہ برھان علیٰ ذٰلک مع ان الاصل عدمہ ھٰذا القدر ضروری فمن ادعی الامتناع فعلیہ البیان،،

(شرح العقائد النسفی ص:۸۷۔مجلسِ برکات)

ترجمہ:''اور اللہ تعالیٰ کی رؤیت بمعنیٰ بصر سے اس کا انکشافِ تام، اوراس سے مراد حاسۂ بصر سے شے کا واقع اور نفس الامر کے مطابق ادراک کرنا اور یہ اس لیے کہ ہم مہِ کامل کو دیکھتے ہیں پھر آنکھ بند کر لیتے ہیں تو اس بات میں کوئی پوشیدگی نہیں کہ وہ اگرچہ دونوں حالتوں میں ہمارے نزدیک منکشف ہوتا ہے لیکن دیکھنے کے وقت میں اس کا انکشاف کامل وتام ہوتا ہے اوراس کے اعتبار سے ہم کو ایک مخصوص حالت حاصل ہوتی ہے، اسی کا نام رؤیت ہے، وہ عقلاً ممکن ہے بایں معنیٰ کہ اگر عقل کو کسی دباؤ سے آزاد رکھا جائے تو وہ اس کے محال ہونے کا حکم نہیں لگائیگی، جب تک اس بات پر اس کے نزدیک دلیل قائم نہ ہو جائے۔حالانکہ اصل دلیل کا نہ ہونا ہے، اور یہ بات بدیہی ہے تو جو شخص محال ہونے کا دعویٰ کرے دلیل پیش کرنا اس کی ذمہ داری ہے''۔

نیز اگر دیدارِ الٰہی عقلاً ممکن نہیں بلکہ محال ہوتا تو حضرتِ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کبھی بھی اس کا سوال نہیں کرتے، کیوں کہ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو قطعی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ فلاں چیز ممکن اور فلاں چیز محال و ممتنع ہے۔اور محال و ممتنع چیز کے بارے میں سوال کرنا انبیائے کرام سے متصور نہیں۔البتہ اختلاف اس میں ہے کہ یہ رؤیت اِس دنیا میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے متحقق ہوئی کہ نہیں۔

ام المومنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا، حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوران کے متبعین کا مذہب یہ ہے کہ یہ رؤیت دنیا میں کسی کے لیے متحقق نہیں ہوئی حتی کہ معراج کی شب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بھی دیدارِ الٰہی نصیب نہیں ہوا۔جب کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما بہت سے صحابہ، تابعین اوران کے پیروکار اس طرف گئے ہیں کہ شبِ معراج اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب احمدِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنے حسنِ ازلی کے دیدار سے مشرف فرمایا۔ان کے علاوہ دو قول اور بھی ہیں، چنانچہ حضرت علامہ عبد العزیز فرہاوی درسِ نظامی کی مشہور کتاب شرحِ عقائد کی شرح'' نبراس،، میں فرماتے ہیں:

''اختلف السلف والخلف فيه علىٰ أقوال ، احدها انكار الرؤية وهو قول عائشة والمشهور عن ابن مسعود و أبى هريرة و عن مسروق قال لعائشة : هل رایٰ محمد ربه ؟ قالت : لقد قفّ شعرى مِمَّا قلتَ،من حدثك ان محمدًا رایٰ ربه فقد كذب ، قال : فأين قوله تعالىٰ ''ثم دنىٰ فتدلّٰى فكان قاب قوسين أو أدنىٰ الآيات،، ؟ قالت : ذٰلك جبرئيل كان يأتيه فى صورة الرجل و أتاه هٰذه المرّة فى صورته التى هى صورته فسدّ الأفق كما رواه البخارى و مسلم . وثانيها اثبات الرؤية بالقلب وهو رواية عن ابن عباس ، قال القاضى عياض :جآء فى الحديث لم اره بعينىّ ولٰكن رأيته بقلبه مرتين و عن ابن عباس قال : سئل هل رأيت ربك قال : رأيته بفؤادى رواه ابن جرير ، ثالثها اثبات الرؤية بالعين وهو الرواية المشهورة عن ابن عباس و عليه الشيخ ابو الحسن الاشعرى وفى شرح مسلم للامام محى الدين النووى وهو الراجح عند اكثر العلماء ، رابعها التوقف ،وهو رأى سعيد ابن جبير ،،

(النبراس ص:۲۹۵)

ترجمہ:شبِ معراج دیدارِ الٰہی سے متعلق علمائے سلف و خلف کے چار اقوال ہیں (۱) حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا اس کا انکار کرتی ہیں، حضرت عبداللہ ابن مسعود اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنھما کا بھی قولِ مشہور یہی ہے

،حضرت امامِ بخاری اور حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنھما نے روایت کیا ہے کہ حضرتِ مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا سے پوچھا کہ کیا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کا دیدار کیا؟ انہوں نے جواب دیا، تمہارے اِس سوال سے میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے ہیں، جو بھی تم سے یہ بیان کرے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے تو اُس نے جھوٹ کہا ہے۔ مسروق نے کہا: پھر اِس آیتِ کریمہ کا کیا جواب ہوگا؟ ''ثم دنا فتدلّیٰ فکان قاب قوسین أو أدنیٰ ،، (نجم:۷۔۸) [پھر وہ زیادہ قریب ہوگیا، دو کمانوں کی مقدار بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب] حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا نے فرمایا: اِن آیتوں میں حضرتِ جبریلِ امین کا قریب ہونا مراد ہے، جبریل انسانی شکل میں آپ کے پاس آتے تھے، اِس مرتبہ وہ آپ کے پاس اپنی اصلی صورت میں آئے اور افق کو بھر دیا

(۲) حضرت عبداللہ ابن عباس سے ایک روایت یہ ہے کہ آپ نے اپنے دل سے رب تعالیٰ کا دیدار کیا۔ حضرت قاضی عیاض نے کہا: حدیثِ پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنی آنکھوں سے رب کو نہیں دیکھا، لیکن میں نے اپنے دل سے دو مرتبہ دیکھا ہے، اور حضرت عبداللہ ابن عباس سے یہ بھی مروی کہ حضور سے پوچھا گیا کہ آپ نے کیا رب کا دیدار کیا؟ تو آپ نے فرمایا: میں نے اپنے دل سے اس کا دیدار کیا ہے۔ اسے امام ابن جریر نے روایت کیا ہے۔

(۳) حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما کا مشہور قول اور حضرت امام ابو الحسن اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ شبِ معراج آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے سر کی نگاہوں سے اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا ہے، چنانچہ شارحِ مسلم امام محی الدین نووی نے فرمایا کہ اکثر علما کے نزدیک یہی راجح ہے۔

(۴) حضرتِ سعید ابن جبیر کی رائے یہ ہے کہ اس مسئلہ میں توقف کیا جائے۔

فحولِ صحابہ مثلاً حضرت عبد اللہ ابن عباس، حضرت کعب احبار، حضرت انس بن مالک اور حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین اور کبارِ تابعین میں سے حضرت عروہ بن زبیر، حضرت حسن بصری اور حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین اور اکثر علما کے نزدیک مختار تیسرا قول ہے، یعنی یہ کہ شبِ معراج رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے سر کی آنکھوں سے اللہ تبارک و تعالیٰ کا دیدار کیا، دیدارِ باری تعالیٰ کا انکار کرنے والے علی العموم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کے قول سے استدلال کرتے ہیں، اس لیے پہلے اس حدیث کو مع جوابات کے پیش کیا جاتا ہے پھر انشاء اللہ العزیز اثباتِ رؤیت کا قول کرنے والوں کے دلائل پیش کئے جائیں گے۔

(۱) حضرت امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں:

''عن مسروق قال: كنت متكئا عند عائشة و قالت : يا أبا عائشة! ثلاث من تكلم بواحد ة منهن فقد اعظم على الله الفرية . قلت: وما هن؟ قالت: من زعم ان محمدا رآى ربه وقد اعظم على الله الفرية ، قال: وكنت متكئا و جلست و قلت: يا ام المؤمنين! انظروني فلا تعجليني الم يقل الله تعالىٰ ''و لقد راٰه بالافق المبين.'' و لقد رآه نزلة اخرىٰ،،؟ و قالت انا اول هٰذه الامة سئل عن ذٰلک رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال انما هو جبريل عليه السلام لم اره على صورته التى خلق عليها غير هاتين المرتين رأيته منهبطا من السماء سادا عظم خلقه ما بين السمآء والارض و قالت: الم تسمع ان الله ان الله عز وجل يقول لا تدركه الابصار و هو يدرك الابصار وهو اللطيف الخبير اولم تسمع انّ الله يقول

:"وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من ورآء حجاب او یرسل رسولا ،،(مسلم ج ا ص:۹۸ رضا اکیڈمی)

ترجمہ: حضرت مسروق فرماتے ہیں کہ میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کی بارگاہ میں حاضر تھا، تو آپ نے فرمایا: اے ابو عائشہ (یہ حضرت امام مسروق کی کنیت ہے) تین چیزیں ایسی ہیں کہ جس نے انہیں بیان کیا تو اس نے اللہ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ میں نے پوچھا وہ کیا ہیں؟ آپ نے کہا کہ جو شخص یہ کہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے تو اس نے اللہ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ حضرت مسروق کہتے ہیں کہ میں ٹیک لگائے بیٹھا تھا، ام امومنین کی بات سن کر سیدھا بیٹھ گیا اور عرض کیا: آپ میری جانب دیکھیں اور جلدی نہ کریں، کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا" ولقد رآہ بالأفق المبین،، [اس نے اسے افق مبین میں دیکھا] اور اور کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا" ولقد رآہ نزلة اخری [اور اس نے اسے دوسری مرتبہ دیکھا] آپ نے فرمایا اس امت میں پہلی ہوں جس نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا تو حضور نے فرمایا: وہ جبریل علیہ السلام ہیں، میں نے ان کو ان کی اصلی صورت پر صرف دو مرتبہ دیکھا، میں نے ان کو آسمان سے اترتے ہوئے دیکھا اور دیکھا کہ ان کی عظیم خلقت نے آسمان سے لیکر زمین تک کی فضا کو بھر دیا ہے۔ اور فرمایا: اے مسروق! کیا تم نے اللہ رب العزت کا یہ فرمان نہیں سنا " لا تدرکه الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر ،، [آنکھیں اسے نہیں پاسکتیں اور وہ آنکھوں کو پالیتا ہے اور وہ لطیف و خبیر ہے] اور کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا" وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من ورآء حجاب او یرسل رسولا ،، [کسی انسان میں یہ طاقت نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے مگر وحی کے ذریعہ یا پسِ پردہ یا کوئی رسول بھیجے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے جن آیتوں سے استدلال کیا ہے ان کے جواب میں شارحِ مسلم حضرت امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"ان عائشة لن تنف الرؤیة بحدیث عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ولو کان معها فیه حدیث لذکرته وانم اعتمدت الاستنباط من الآیات و سنوضح الجواب عنها .فاما احتجاج عائشه بقول الله عز وجل لا تدرکه الابصار فجوابه ظاهر . فان الادراک هو الاحاطةوالله تعالیٰ لا یحاط به و اذا ورد النص بنفی الاحاطة لا یلزم منه نفی الرؤیة بغیر احاطة .....واما احتجاجها بقوله تعالیٰ وما کان لبشر ان یکلمه الله الآیة فالجواب عنها من اوجه احدها انه لا یلزم من الرؤیة وجود الکلام حال الرؤیة فجواز وجود الرؤیة من غیر کلام والثانی انه عام مخصوص بما تقدم من الادلة الثالث ما قاله بعض العلماء ان المراد بالوحی الکلام من غیر واسطة،،

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی حدیث کی بنیاد پر رویت کا انکار نہیں کیا (بلکہ قیاس واجتہاد سے کام لیا ہے) اگر ان کے پاس اس سلسلے میں کوئی حدیث ہوتی تو وہ اس کا ذکر کرتیں، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا نے اس مسئلہ کو قرآن کی آیتوں سے مستنبط کیا ہے، ہم ان کے جوابات واضح کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " لا تدرکه الابصار وھو یدرک الابصار ،، (انعام:۱۰۳) [ترجمہ] نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ادراک سے مراد احاطہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا اور جب قرآن مجید میں احاطہ کی نفی کی گی ہے تو

اس سے بغیر احاطہ کے رؤیت کی نفی لازم نہیں آئی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کا دوسرا استدلال اس آیت سے ہے "**وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من ورآء حجاب او یرسل رسولا**"، (شوریٰ:۵۱) [ترجمہ] اور کسی انسان کی یہ طاقت نہیں کہ اللہ اس سے ہم کلام ہو مگر وحی سے یا پردے کے پیچھے سے یا اللہ کوئی فرشتہ بھیج دے۔

اس آیت سے استدلال کے حسبِ ذیل جوابات ہیں:

(۱) اس آیت میں رؤیت کے وقت کلام کی نفی کی گئی ہے تو یہ جائز ہے کہ جس وقت آپ نے اللہ کا دیدار کیا ہو اس وقت اس سے کلام نہ کیا۔

(۲) یہ آیت عام مخصوص عنہ البعض ہے اور اس کا مخصص وہ دلائل ہیں جن سے رؤیت ثابت ہے (یعنی عام قاعدہ یہی ہے لیکن سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں)

(۳) بعض علما نے فرمایا کہ وحی سے مراد بغیر واسطہ کے کلام کرنا ہے (اور ہوسکتا ہے کہ دیدار کے وقت آپ کو کسی واسطے سے وحی کی گئی ہو)۔ (شرح مسلم للنووی ج ۱ص:۹۷)

اس حدیث میں ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے "**ولقد رآہ بالافق المبین**"، کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: وہ جبریلِ امین ہیں۔ ضیاء النبی میں ہے:

"حضرت صدیقہ نے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا تو حضور نے فرمایا کہ وہ حضرت جبریل ہیں، یہ بالکل درست ہے کیوں کہ یہ آیتِ کریمہ سورۂ تکویر کی ہے اور وہاں حضرت جبریل ہی کا ذکر ہے۔ ارشاد ہے "**وانه لقول رسول کریم ذی قوة عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین وما صاحبکم بمجنون ولقد رآہ بالافق المبین**" یہ سارا ذکر جبریل امین کا ہے ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ان کی اصلی صورت میں دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تو آپ آسمان کے افق پر نمودار ہوئے، اسے افق مبین کہا جاتا ہے"،

(ضیاء النبی ج۲ص:۵۳۶)

اور آیتِ کریمہ "**ولقد رآہ نزلة آخریٰ**"، کا جواب یہ ہے کہ حضرت علامہ آلوسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ لکھتے ہیں:

"حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے "ثم دنا فتدلیٰ" کی ضمیروں کو اسی طرح "**ولقد رآہ نزلة اخریٰ**"، کی ضمیر منصوب کو اللہ کی طرف لوٹایا ہے اور قسم کھا کر کہتے تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے"۔

(روح المعانی ۸۰/۲۷)

لہٰذا یہ حدیثِ پاک ہمارے موقف کے یکسر خلاف نہیں، بعض علما نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا کے انکار کی توجیہ یہ کی ہے کہ وہ رؤیت علیٰ وجہ الاحاطہ کی نفی کرتی ہیں۔ دیکھئے شرحِ مسلم للسعیدی ج ۱ص:۷۰۷) (جاری)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۲۴)...... سے سعودی نجدی حرمین شریفین پر قابض ہوئے، سب سے پہلے انہوں نے توحید کے نام پر ان مقدس مقامات ومزارات کو بلڈوزر کے ذریعے مسمار کردیا۔ ان کے ادب واحترام کو توحید کے منافی قرار دیا۔ اس طرح ملت اسلامیہ کے دلوں کو مجروح کرنے کے علاوہ اسلامی اقدار کو پامال کیا، یہاں تک کہ ان مقدس مزارات کی حاضری پر شرک وکفر کا فتویٰ صادر کردیا العیاذ باللہ۔ جب کہ احادیث مبارکہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی بنفس نفیس جنۃ البقیع وشہدائے بدر واحد کے مزارات پر حاضری ثابت ہے، گویا کہ مزارات اہل اللہ کی بارگاہ کی حاضری سنت رسول ہے۔ اللہ پاک اس نجدی قوم کے تسلط سے حرمین شریفین کو پاک فرمائے اور ہم سب کو مقدس مقامات وآثار قدیمہ کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائے (آمین)

توحیداورمقدس مقامات کااحترام

مولانامحمدعبدالقادررضوی اشفاقی

عقیدۂ توحید:

قرآن وسنت کی روشنی میں توحید، وحدانیت باری تعالیٰ کاایک واضح تصور ہے جس میں کسی کی شرکت کا ہرگز ہرگز امکان نہیں۔ توحید باری تعالیٰ کاعقیدہ، یعنی اللہ کاایک ہونا، یکتا ہونا، دین اسلام میں اساسی حیثیت رکھتا ہے۔ ساری دنیا کے مسلمان اللہ کو بلاشریک غیرواحد جانتے اور مانتے ہیں اورالحمداللہ اہل سنت وجماعت بھی اسی کے قائل اور عامل ہیں۔ جوشخص اللہ رب العزت کی توحید، وحدانیت احد، وواحد ہونے میں ذرہ برابر شک کرے مسلمان نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کومشرک قراردیا جائے گا، ایسا شخص دائرۂ اسلام سے فوراً نکل جائے گا۔

اعلیٰ حضرت امام احمدرضا قادری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

''توحید مدارایمان ہے اوراس میں شک کفر، اوروحدتِ وجودحق ہے۔ قرآن عظیم اوراحادیث وارشادات اکابردین سے ثابت اوراس کے قائلوں کوکافرکہنا خود شنیع خبیث کلمۂ کفر ہے۔ رہااتحادوہ بےشک زندقہ والحاداورقائل اس کاضرورکافر۔ اتحاد یہ کہ یہ بھی خداوہ بھی خداسب خدا۔ گرفرق مراتب نہ کنی زندیقی، حاش للہ الہ الہ ہے اورعبدعبد۔ ہرگز نہ عبدالہ ہوسکتا ہے نہ الہ عبد، اوروحدت وجودیہ کہ وہ صرف موجودواحدٗباقی سب ظلال وعکوس ہیں قرآن کریم میں ہے، کلُّ شئیٍ ھالکٌ الاّ وجھه (فتاویٰ رضویہ ۱۳۲/۶)

قرآن کریم اورمقدس مقامات کاذکر:

قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے مختلف آیات میں مقدس مقامات کاذکرفرمایاہے اوران کی حیثیت کواجاگرکیا ہے۔ یہ تصورقرآن کے بالکل خلاف ہے کہ اسلام میں مقدس مقامات کی کوئی اہمیت نہیں۔ بدمذہب لوگ مقدس مقامات کاانکارکرکے ان کی حرمت وعظمت کونظرانداز کرتے ہیں، اپناایمان وعقیدہ خراب کرنے کے ساتھ ساتھ قوم مسلم کے ایمان وعقیدہ میں بگاڑ پیداکررہے ہیں۔ مقدس مقامات کی تعظیم وتکریم کرناان کی حفاظت کرنا، ان کے ذریعہ برکت حاصل کرناوغیرہ امور ہرگز توحیدباری تعالیٰ کے خلاف نہیں۔ بلکہ قرآن عظیم نے مقدس مقامات کی حفاظت وصیانت اوران کی تعظیم وتکریم کو، مومنین کے لیےتقویٰ قراردیا۔قرآن پاک میں اللہ رب العزت کارشاد ہے: وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَ ی الْقُلُوْبِ. یعنی جواللہ کی مقررکردہ نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کاتقوی ہے۔ (حج ۳۲) قرآن پاک میں صفاومروہ پہاڑی کوبھی شعائراللہ کہا گیاہے۔اللہ تعالیٰ فرماتاہے۔ان الصفاوالمروۃ من شعآئر اللّٰہ. (بقرہ۱۵۸) شعائراللہ سے مراددین کےاعلام واقداراوروہ آثارقدیمہ بھی ہیں جودین کے نشانیات ہیں۔ مثلاً کعبہ شریف، میدان عرفات، مزدلفہ، منیٰ، مسجدالحرام، مسجدنبوی، روضۂ رسول اکرم، مسجداقصیٰ، مسجدقبا، مسجد قبلتین، مقام ابراہیم، حجراسود، چاہ زمزم وغیرہ(عام کتب تفسیر)ان تمام آثار سے برکت حاصل کرنا، تعظیم وادب کرنا، توحید کے منافی نہیں، بلکہ قرآن اورحکم باری کی تعمیل ہے۔

تابوت سکینہ:

قرآن مجید میں آثارقدیمہ ومقدس اشیا میں سے تابوت

سکینہ کا ذکر ملتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔**وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ**۔ یعنی اوران سےان کے نبی نے فرمایااس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت، جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں معزز ھارون اورمعزز موسیٰ کے ترکہ کی، اُٹھاتے لائیں گے اسے فرشتے۔(سورہ بقرہ:آیت:۲۴۸)

مفسر قرآن حضرت صدرالا فاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمہ تابوت کے متعلق لکھتے ہیں: یہ تابوت شمشاد کی لکڑی کا ایک زراندوز صندوق تھا جس کا طول تین ہاتھ کا اورعرض دو ہاتھ کا تھا،اس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔اس میں تمام انبیائے کرام کی تصویریں تھیں ان کے مساکن ومکانات کی تصویریں تھیں،اورآخر میں حضور سیدالانبیا ﷺ کی اورحضور کے دولت سرائے اقدس کی تصویر ایک یاقوت سرخ میں تھی کہ حضور بحالت قیام نماز میں ہیں اردگرد آپ کے اصحاب۔حضرت آدم علیہ السلام نے ان تمام تصویروں کو دیکھا یہ صندوق وراثتاً منتقل ہوتا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا۔ آپ اس میں توریت بھی رکھتے تھے اوراپنا مخصوص سامان بھی، چنانچہ اس تابوت میں الواح توریت کے ٹکڑے بھی تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا، کپڑے،آپ کے نعلین شریف، حضرت ہارون کا عمامہ،ان کا عصا اورتھوڑا سامَن جو بنی اسرائیل پرنازل ہوتا تھا۔حضرت موسی علیہ السلام جنگ کے موقعوں پراس صندوق کوآگے رکھتے تھے،اس سے بنی اسرائیل کے دلوں کوتسکین رہتی تھی۔آپ کے بعد یہ تابوت بنی اسرائیل میں توارثاً ہوتا چلا آیا جب انھیں کوئی مشکل درپیش آتی وہ اس تابوت کوسامنے رکھ کر دعائیں کرتے اورکامیاب ہوتے، دشمنوں کے مقابلے میں اس کی برکت سے فتح پاتے (ایساہی تفسیر جلالین،جمل،خازن، مدارک وغیرہ میں ہےخزائن العرفان زیرآیت)

وادی طویٰ کاادب:

قرآن پاک میں وادیٔ طویٰ کا ذکر ہوا ہے،قرآن پاک میں اللہ فرماتا ہے:**انی انا ربك فاخلع نعليك انك بالوادالمقدس طویٰ**،، یعنی بےشک میں تیرارب ہوں، تو،تواپنے جوتے اتارڈال بےشک توپاک جنگل طویٰ میں ہے۔ (سورۂ طٰہٰ،آیت:۱۲) حضرت صدرالا فاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی لکھتے ہیں: طویٰ وادی مقدس کا نام ہے جہاں یہ واقعہ پیش آیا،اس میں تواضع اورمکہ معظّمہ کااحترام اوروادیٔ مقدس کی خاک سے حصول برکت کا موقع (خزائن العرفان زیرآیات) **فاخلع نعليك** فرماکرمقدس مقامات کی حاضری اوران کے آداب کی تعلیم دی جارہی ہے۔

سرورعالم ﷺ کے آثارمبارک کے آداب:

حضور نبی کرام ﷺ کے آثاروتبرکات مبارک دوقسم کے ہیں(۱) وہ جن کاتعلق براہ راست آپ کے جسم اطہریا آپ کی ذات سے ہے۔(۲)وہ جن سےآپ کےجسم مبارک کا کوئی حصہ یاعضومبارک مس ہواہے۔

وہ آثارمبارک یاتبرکات شریف جن کاتعلق براہ راست آپ کی ذات مبارک سے ہے۔مثلاً موئے مبارک، کےمتعلق بخاری شریف باب مایذکرفی الشیب حدیث نمبر:۵۸۹۶ میں ہے: کہ پیارے آقا ﷺ جب بال شریف منڈواتے،صحابہ کرام بطورِتبرک آپس میں تقسیم کرلیتے،آپ نے ایک مرتبہ سرمبارک کے بال شریف منڈوائے بال شریف مونڈنے کا شرف حضرت ابوطلحہ کوحاصل ہوا آپ نے نصف بال مبارک حضرت ابوطلحہ کوعنایت فرمائے اور بقیہ نصف دیگرصحابہ کرام میں تقسیم کردیئے، ایک موئے مبارک حضرت خالد بن ولید سیف اللہ کے حصہ میں

آیا، آپ نے اس کو اپنی ٹوپی میں محفوظ کرلیا جب جنگ میں جاتے اس ٹوپی کو پہن لیتے، اس کی برکت سے فتح حاصل ہوتی تھی۔ کچھ موئے مبارک حضرت ام سلمیٰ کے پاس تھے جب کسی کو کوئی شدید مرض لاحق ہوتا اور وہ ناامید ہوجاتا، یا آنکھ کی شدید تکلیف میں مبتلا ہوتا تو وہ حضرت سلمیٰ کے پاس پانی سے بھرا برتن بھیجتا آپ موئے مبارک اس پانی میں ڈبو دیتیں اور اس کا دھوون عطا کرتیں جس سے مریض شفایاب ہوجاتا۔

بخاری شریف حدیث نمبر ۱۷۰ میں ہے کہ صحابی رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد مشہور تابعی امام ابن سیرین رضی اللہ عنہ نے عبداللہ ابن مسعود کے صاحبزادے حضرت عبیدہ سے سنا، انہوں نے کہا کہ اگر میرے پاس آپ ﷺ کا ایک موئے مبارک بھی ہوتا تو میں اسے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب رکھتا''۔ مسند امام احمد ابن حنبل جلد: ا ص: ۸۲، میں ہے کہ فقہ حنبلی کے امام حضرت سیدنا امام احمد بن حنبل کے پاس حضور کا ایک موئے مبارک تھا، آپ فرط محبت میں کبھی اسے چومتے کبھی آنکھوں پر رکھتے اور کبھی اس کا پانی پیتے، امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد کو دیکھا کہ وہ رسول للہ ﷺ کا موئے مبارک اپنے منھ پر رکھتے اور بوسہ دیتے کبھی آنکھوں سے لگاتے اور کبھی پانی میں ڈبو کر اس پانی کو نوش فرماتے،،۔

مشہور صحابی رسول کاتب وحی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس حضور نبی اکرم ﷺ کے ناخن مبارک تھے ان کو آپ بڑی حفاظت سے رکھتے تھے۔ وصال کے وقت آپ نے وصیت کی یہ ناخن مبارک میرے کفن کے ساتھ قبر میں رکھ دیے جائیں۔ وصیت کے مطابق یہ ناخن مبارک آپ کی قبر میں رکھ دیئے گئے۔

آثار و تبرکات کی دوسری قسم کہ جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر سے نسبت ہوگئی تو وہ چیزیں بھی لائق تعظیم قرار پائیں مثلاً نقش قدم رسول ﷺ آپ کا مشہور معجزہ شریف ہے کہ جس پتھر پر سرکار ﷺ قدم مبارک رکھتے تو موم ہوجاتا۔ اس پتھر پر قدم مبارک کے نشان ابھر جاتے اس مبارک پتھر کو ''نقش قدم رسول'' سے موسوم کیا گیا، اس کی عظمت و بزرگی مسلم ہے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مبارک قدم کے پتھر پر ابھرے ہوئے نشان کو محترم بتایا گیا اسے مقام ابراہیم کا نام دیا گیا نیز نماز کے لیے مصلیٰ بنانے کا حکم بیان فرمایا **واتخذوا من مقام ابرھیم مصلیٰ** یعنی ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو مصلیٰ بناؤ (البقرہ، آیت: ۱۲۵) رسول اللہ ﷺ کا مرتبہ تمام انبیائے کرام اور اولین وآخرین سے افضل و اعلیٰ، ارفع و بالا ہے، اس لیے آپ کے جسم پاک سے منصوب آثار و تبرکات کا مقام و مرتبہ بھی ارفع و اعلیٰ ہے۔ جس طرح '' مقام ابراہیم'' کو نماز کے لیے مصلیٰ بنانا جائز ہے اسی طرح نقش قدم رسول و موئے مبارک کے ذریعہ برکت حاصل کرنا، تعظیم و ادب کرنا، شریعت مطہرہ کے عین مطابق ہے، اور توحید کے خلاف نہیں۔ اگر تصور توحید سے ان تبرکات و آثار کی تعظیم و ادب متصادم ہوتی تو صحابہ کرام کی جماعت کا عمل روایات صحیحہ کے ذریعہ ہم تک نہ پہنچتا۔ اس پیاری جماعت کے تعظیم و ادب اور ان کے عمل نے ہم پر ظاہر کر دیا کہ توحید باری تعالیٰ کا حقیقی تصور ایک مسلم عقیدہ ہے اور آثار رسول کا ادب کرنا اہل ایمان کا تقاضا ہے۔

مسجد نبوی شریف میں آج بھی آثار و تبرکات شریف موجود ہیں جن کے ذریعہ دنیا بھر کے مسلمان برکت و فیض حاصل کرتے ہیں اور زیارت کی جاتی ہے۔

اصحاب صفہ کا چبوترہ:

یہ وہ جگہ ہے جہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صحابہ کرام کی جماعت کو خاص قسم کی صوفیانہ تعلیم و تربیت عطا فرماتے۔ آپ خود بھی بنفس نفیس ان کے درمیان جلوہ افروز ہوتے

تھے ،محراب رسول ،مسجد نبوی شریف کے ریاض الجنہ جو روضۂ رسول سے منبر رسول تک کا حصہ ہے وہ جنت کی کیاری ہے اور وہ ستون بھی تبرکات میں شامل ہیں جو مسجد نبوی شریف میں ہیں ان ستونوں کے قریب عاشقان رسول ﷺ نماز پڑھتے ہیں مثلاً ستون حضرت عائشہ، ستون توبہ، ستون علی، ستون وفود، ستون تہجد وغیرہا۔

مشہور سلطنت عثمانیہ ترکی کے عجائب گھر (میوزیم) میں آج بھی قدیم آثار رسول ﷺ محفوظ ہیں، ان میں نبی کریم ﷺ کے جبۂ مبارک، عمامہ شریف، دندان مبارک، موئے مبارک، عصا مبارک، تلوار مبارک، اور خلفائے راشدین کے کچھ تبرکات بھی اس میوزیم میں محفوظ ہیں جن کی زیارت کی جاتی ہے۔ ہندوستان کی بہت سی خانقاہوں اور مساجد میں موئے مبارک وقدم مبارک محفوظ ہیں۔ دیگر خانقاہوں میں آج کل اہل سنت کے دیگر تبرکات بھی موجود ہیں۔ کشمیر کی درگاہ حضرت بل میں آپ ﷺ کا قدیم موئے مبارک ہے۔ ہمارے راجستھان کے ناگور شریف شہر کے قریب ۲۰ کلومیٹر دوری پر واقع ، روحل شریف، قصبہ کی مسجد میں جبۂ رسول ﷺ تقریباً ۶۰۰ سال سے محفوظ وموجود ہے جو حضرت عارف باللہ قاضی حمیدالدین ناگوری سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کو کئی واسطوں کے ذریعے حضرت سیدنا مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے حاصل ہوا تھا جس کی زیارت کے لیے پورے ہندوستان سے عاشق رسول سفر کر کے آتے ہیں۔

اسلام میں آثار قدیمہ ومقدس مقامات کو ہمیشہ اہمیت حاصل رہی ہے۔ مسلمانوں نے ہمیشہ مقدس روحانی یادگاروں کی حفاظت کی ہے۔ مسلم حکمران ہند نے بھی ان آثار رسول وتبرکات شریفہ کی حفاظت کی اور عاشقان رسول ﷺ نے آپ کے مقدس ومتبرک آثار شریفہ کو دل وجان سے زیادہ عزیز رکھا، خود صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پھر تابعین، تبع تابعین نے آثار رسول ﷺ کا ادب واحترام کیا اور تعظیم وتکریم کو ملحوظ رکھا، یہ آثار مبارک عباسی سے فاطمیوں کے پاس پہنچے اور فاطمیوں سے عثمانی ترکوں میں منتقل ہوئے۔ عثمانی ترک حکمرانوں نے ان آثار شریفہ وتبرکات کا احترام کیا اور ان کی حفاظت وصیانت میں ذرہ برابر کوتاہی نہ کی۔

خانقاہ اور درس توحید:

دین اسلام اور پیغام توحید ورسالت کی ترویج واشاعت بیشتر ممالک میں صوفیائے کرام واولیائے عظام کی تبلیغی کاوشوں کا ثمرہ ہے، انہیں کی مساعیِ جمیلہ سے پیغام توحید ومحبت رسالت کا جذبہ عام ہوا، اور لوگوں میں دینی جذبات بیدار ہوئے، اہل اللہ خانقاہ میں اپنے متوسلین ومحبین کو توحید باری تعالیٰ کا جام پلاتے رہے ہیں۔ اللّٰہ اللّٰہ کی ضرب کے ذریعہ دلوں کے زنگ کو دور کر کے بندگان خدا کو معرفت الٰہی، حقائق ربانی کے جلوے دکھائے۔ شرک وکفر کی آلودگیوں سے پاک کر کے لوگوں کے دلوں کو توحید باری کے نور سے منور کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور خواجہ غریب نواز سلطان الہند رضی اللہ عنہ کے دست پاک پر ۹۰ لاکھ غیر مسلموں نے اسلام کا کلمہ پڑھ کر توحید باری تعالیٰ کا اقرار کیا۔ بلاشبہ آج بھی اہل سنت وجماعت کی خانقاہوں سے یہی درس جاری ہے۔

نجدی حکومت اور مقدس مقامات کی پامالی:

مقدس مقامات کا احترام توحید باری تعالیٰ کے خلاف نہیں، بلکہ تعظیم اور عبادت کے درمیان بہت فرق ہے۔ مقدس مقامات کا ادب کرنا قرآن وسنت کا حکم ہے۔

آج سے تقریباً ۱۰۰ سال قبل حرمین شریفین میں جنۃ البقیع، وجنۃ المعلّٰی میں صحابۂ کرام اور اہل بیت اطہار کے مقدس مزارات قبہ جات کے ساتھ مرجع خلائق تھے، لیکن جب... (باقی صفحہ ۲۰ پر)

گستاخ رسول کی سزا عہد نبوی اور عہد صحابہ میں

مولانا محمد اسلم رضا قادری باسنی، ناگور شریف 09461380418

جس شخص نے خدا اور رسول ﷺ کی شان میں ادنیٰ گستاخی کی یا اپنے کسی قول وفعل سے اذیت پہنچائی اُس کے لیے قرآن وحدیث میں دردناک عذاب کی وعیدیں آئی ہیں۔ ایسا گستاخ اللہ کی زمین پر بوجھ ہے اور اُس کے لیے دائمی رسوائی ہے۔

سورۂ قلم کی ابتدائی آیات تلاوت کریں تو معلوم ہوجائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب ﷺ کے گستاخ کا کس قدر سخت جواب دیتے ہوئے اُس کے لئے دردناک عذاب بیان فرمایا ہے۔ وہ شخص جس کی گستاخی وبے ادبی پر اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس کلام میں اُس کے دس عیوب کو ظاہر فرما کر اُس کی مذمت بیان فرمائی وہ بدبخت ولید بن مغیرہ تھا جو حرام زادہ تھا۔ دوسرا ابولہب جو خود ہمارے پیارے آقا ﷺ کا سگا چچا تھا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اُس کے متعلق اور اُس کی گستاخ وبے ادب بیوی کے بارے میں پوری ایک سورت نازل فرماتے ہوئے فرمایا: سَیَصْلٰی نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ، عنقریب وہ بھڑکتی آگ میں ڈالا جائے گا۔

اِسی طرح اپنے حبیب ومحبوب ﷺ کی بارگاہ کے آداب بیان کرتے ہوئے سورۂ حجرات میں فرمایا: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ" (سورۃ الحجرات:۲) اے ایمان والو! اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اُس غیب بتانے والے نبی کی آواز سے، اور اُن کے حضور بات چلّا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلّاتے ہو کہ کہیں تمہارے اعمال اکارت نہ ہوجائیں اور تمہیں خبر نہ ہو" (کنزالایمان)

ہمارے حضور ﷺ کی شان کتنی نرالی ہے کہ اللہ رب العزت نے ان کے حضور آواز بھی پست کرنے کا حکم دیا اور بلند کرنے والوں کے اعمال برباد کردینے کے وعید ارشاد فرمائی۔ ایسے رسول مقبول ﷺ کی شان میں تنقیص وتوہین اور گستاخی وبے ادبی کے کلمات کہنا اور لکھنا کس قدر سنگین جرم ہوگا، ذیل کی آیات سے اُس پر روشنی پڑتی ہے، ملاحظہ ہو:

(۱) اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا" (سورۃ الاحزاب، ۵۷) "بے شک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول کو، اُن پر لعنت ہے دنیا وآخرت میں اور اللہ نے اُن کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے" (کنزالایمان)

(۲) وَالَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ" (سورۃ التوبہ، ۶۱) "اور جو رسول اللہ ﷺ کو ایذا دیتے ہیں، اُن کے لئے دردناک عذاب ہے" (کنزالایمان)

(۳) مَلْعُوْنِیْنَ اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا" (سورۃ الاحزاب، ۶۱) "پھٹکارے ہوئے جہاں کہیں ملیں پکڑے جائیں اور گن گن کر قتل کئے جائیں" (کنزالایمان)

خاتم الفقہا حضرت علّامہ امام سید ابن عابدین شامی حنفی (م: ۱۲۵۱ھ/۱۸۳۶ء) قدّس سرہٗ لکھتے ہیں: یہ ساری آیتیں ایسے بدبخت کے کفر وقتل پر شاہد ہیں۔ ہلکی سی تکلیف کو "اذیٰ" کہتے

ہیں۔اگر تکلیف زیادہ ہو، تو اُسے "ضــــرر" کہتے ہیں۔حضرت خطابی (م:۳۸۸ھ/۹۹۸ء)وغیرہ نے اِن آیتوں کی یہی تشریح کی ہے"(گستاخان انبیاؤصحابہ کاحکم ص:۱۹۔مطبوعہ فلاح ریسرچ فاؤنڈیشن دہلی۲۰۱۴ء)

شاتمِ رسول ﷺ کے کفر وقتل کے متعلق فقہاء ومحدّثین کے ارشادات:

حضرت علاّمہ امام قاضی عیاض مالکی (م:۵۴۴ھ/۱۱۴۹ء) قدّس سرہٗ لکھتے ہیں: اجمع العلماء انَّ شاتم النبی ﷺ المنقص لهٗ کافرٌ والوعیدجارعلیه بعذاب اللّٰه تعالیٰ ومن شک فی کفرہٖ وعذابہٖ فقدکفر"۔"یعنی اجماع ہے کہ حضوراقدس ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والا کافر ہے، اوراُس پرعذاب الٰہی کی وعید جاری ہے اور جواُس کے کافر ومستحق عذاب ہونے میں شک کرے بے شک وہ بھی کافر ہوگیا"۔

حضرت علاّمہ امام ابن حجر مکی شافعی قدّس سرہٗ فرماتے ہیں: ماصرح بہٖ من کفرالساب والشاک فی کفرہٖ ھوماعلیه ائمتنا وغیرھم"۔"یعنی جو یہ ارشاد فرمایا کہ نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والا کافر اور جواُس کے کافر ہونے میں شک کرے وہ کافر، یہی مذہب ہمارے ائمہ وغیرہم کا ہے"۔

محقق علی الاطلاق حضرت علاّمہ امام کمال الدین ابن ہمام صاحبِ فتح القدیر قدّس سرہٗ لکھتے ہیں: کل من ابغض رسول اللّٰه ﷺ بقلبہٖ کان مرتدًا فالساب بطریق اولیٰ وان سبَّ سکران لایعفی عنهٗ"۔"یعنی جس کے دل میں رسول اللہ ﷺ سے کینہ ہووہ مرتد ہے، تو گستاخی کرنے والا بدرجۂ اولیٰ کافر ہے، اوراگر نشہ (بلااکراہ) پیا اوراُس حالت میں کلمۂ گستاخی بکا جب بھی معاف نہ کیا جائے گا"۔(فتاویٰ رضویہ:۶/۳۹)

حضرت علاّمہ امام خیرالدین رملی قدّس سرہٗ لکھتے ہیں: من سبَّ رسول اللّٰه ﷺ فانهٗ مرتدٌ وحکمهٗ حکم المرتدین ویفعل بہٖ مایفعل بالمرتدین ولاتوبة لهٗ اصلاً واجمع العلماء انّهٗ کافرٌ ومن شک فی کفرہٖ کافرٌ"۔"جو نبی ﷺ کی شان کریم میں گستاخی کرے وہ مرتد ہے، اُس کا حکم وہی ہے جو مرتدوں کا ہے اُس سے وہی برتاؤ کیا جائے گا جو مرتدوں سے کرنے کا حکم ہے اوراُسے دنیا میں کسی طرح معافی نہ دیں گے اور باجماع تمام علمائے امت وہ کافر ہے اور جواُس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر"۔

کچھ اور روایات درج کرنے کے بعد علاّمہ شامی قدّس سرہٗ لکھتے ہیں: یہ ساری روایتیں اور حوالہ جات دلائل واجماع سے قوی ہو چکے ہیں۔اُس کے کفر پر کتاب،سنت رسول علیہ السلام،اجماع امت اور قیاس، چاروں قسم کی دلیلیں موجود ہیں" (گستاخان انبیاء وصحابہ کاحکم،ص:۱۷تا۱۹)

حضرت امام قاضی عیاض مالکی (م:۵۴۴ھ/۱۱۴۹ء) لکھتے ہیں: اعلم وفقنااللّٰه وایاک انَّ جمیع من سبَّ النبی ﷺ اوعابهٗ اوالحق بہٖ نقصاً فی نفسہٖ اونسبہٖ اودینہٖ اوخصلةٍ من خصالہٖ اوعرَّض بہٖ اَوْشَبَّهَهُ بشیٔ علیٰ طریق السَّبِّ لهٗ اَوِالْاِزْرَاءُ علیهِ اوالتصغیر لشانہٖ اوالغَض منهُ والعیبِ لهٗ فهوسابٌّ لهٗ والحکم فیهِ حکم السابِّ یُقْتَلُ، وهذا کلهٗ اجماعٌ من العلماء وائمة الفتویٰ من لدن الصحابة رضوان اللّٰه تعالیٰ علیهم الیٰ هَلُمَّ جرًّا (الشفاء:۲/۲۱۴)

جن کلمات سے حضور ﷺ میں نقص کا پہلو نکلتا ہو مثلاً جس شخص نے حضور ﷺ کو برملا گالی دی یا ایسے کلمات کہے جو عیب جوئی کے لیے استعمال ہوتے ہوں یا اُن الفاظ سے آپ کی ذات اقدس ﷺ، آپ کے مبارک دین، اُسوہ یا خصائل میں سے کسی خصلت کو زک پہنچتی ہو یا ذات نبوی ﷺ پر کسی قسم کی تعریض کرے یا اِسی قسم کے اور دوسرے الفاظ استعمال کرے تو ایسے تمام

الفاظ سَبّ وَشتم میں شمار ہوں گے اور ایسے الفاظ کہنے والے کے لیے وہی حکم ہے جو اہانت نبی کریم ﷺ کرنے والے کے لیے ہے یعنی واجب القتل ہے،اوراس کلام پر تمام علما اور اہل فتوی کا اجماع ہے جو صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دور مبارک سے آج تک قائم و جاری ہے۔

مذکورہ بالا اقوال علما وفقہا سے واضح ہوتا ہے کہ گستاخ رسول کے کفر وقتل کا حکم عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے آج تک مسلم اور ثابت ہے۔

عہد نبوی میں گستاخ رسول کے کفر وقتل کے فیصلے

کعب بن اشرف کا قتل:

کعب بن اشرف یہودی تھا جب اس نے حضور ﷺ کو اذیت پہنچائی تو حضور ﷺ نے اُس کے قتل کا حکم اِس طرح فرمایا:**من لکعب بن الاشرف فانّهٗ یوذی اللّٰہ ورسولهٗ**" (الشفاء للقاضی عیاض:۲/۲۲۱) کون ہے جو کعب بن اشرف کو قتل کرے کیوں کہ اُس نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کو اذیت پہنچائی ہے۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے قتل کیا اور حضور ﷺ کو اُس کے قتل کی خبر دی"۔(بخاری:۲/۵۷۶، کتاب المغازی)

ابو رافع یہودی کا قتل:

ابو رافع یہودی تھا، یہ گستاخ رسول حضور ﷺ نے چند صحابہ کو اُس کے قتل کا حکم دیا، حدیث کے کلمات اِس طرح ہیں: **کان یوذی رسول اللّٰہ ﷺ ویعین علیه**" (مرجع سابق،ص:۲/۲۲۱) ابو رافع حضور ﷺ کو اذیت پہنچایا کرتا تھا اور کفار کی مدد بھی کیا کرتا تھا، صحابیٔ رسول حضرت عبد اللہ بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے ساتھیوں نے اسے قتل کیا، اور رسول اللہ ﷺ کو اِس گستاخ و بے ادب کے قتل کی خبر دی۔(بخاری شریف:۲/۵۷۷، کتاب المغازی)

ابن خطل کا قتل:

عبد اللہ بن خطل یہ بڑا بے باک اور گستاخ شخص تھا، فتح مکہ کے دن جان بچانے کے لیے کعبہ شریف کے غلاف میں چھپ گیا، مگر رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن جن چار مردوں کو مستثنیٰ فرمایا تھا، اُن میں سے ایک ابن خطل بھی تھا جسے خانۂ کعبہ کے اندر قتل کیا گیا، حدیث کے الفاظ یہ ہیں: **کذلک امرؤ یوم الفتح بقتل ابن خطل وجاریتیه اللتین کانتا تغنّیان بسبّه ﷺ**"(مرجع سابق:۲/۲۲۱) فتح مکہ کے دن ابن خطل اور اُس کی گستاخ لونڈیوں کے قتل کا حکم فرمایا جو گالی کے طور پر اشعار گاتی تھی۔

عقبہ بن ابی معیط کا قتل:

عقبہ بن ابی معیط اپنے کفر کی وجہ سے سرکار علیہ الصلاۃ والسلام پر بہتان لگا کر آپ کو تکلیف دیا کرتا، جب حضور ﷺ نے اُس کے قتل کا حکم فرمایا تو قریش سے چلّا چلّا کر یوں کہنے لگا: **عن ابن عباس انّ عقبه بن ابی معیط نادی یامعاشر قریش مالی اقتل من بینکم صبرا؟ فقال النبی ﷺ: بکفرک وافترائک علیٰ رسول اللّٰه ﷺ**" (مرجع سابق:۲/۲۲۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ عقبہ بن ابی معیط نے قریشیوں کو پکارا کہ میرا کیا گناہ ہے جس کی وجہ سے میں تمہارے درمیان خاموشی کے ساتھ قتل کیا جاؤں؟ تو حضور ﷺ نے جواباً ارشاد فرمایا: تیرے کفر اور بہتان کی وجہ سے جو تو اللہ کے رسول پر کیا کرتا تھا۔

گستاخ عورت کے قتل کا حکم:

ایک عورت نے حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کی تو آپ نے اُس کے متعلق فرمایا: **فقال من یکفینی عدوّتی؟ فخرج الیها خالد بن الولید فقتلها**" (مرجع سابق:۲/۲۲۲) حضور ﷺ نے فرمایا: کون ہے جو میری گستاخ سے بدلہ لے؟ تو

حضرت خالد بن ولید اٹھے اور اُسے قتل کر دیا۔

ان تمام روایات سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ نے اپنے عہد مبارک میں گستاخوں کو قتل کرنے کا حکم فرمایا۔

عہد صحابہ میں گستاخ رسول ﷺ کے کفر و قتل کے فیصلے

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین عشاق رسول ﷺ تھے، وہ کب کسی گستاخ کی گستاخی برداشت کر سکتے تھے، اُن کے کردار و عمل سے حضور تاجدار کائنات ﷺ کی تعظیم و توقیر، عشق و محبت، ادب و احترام کا اظہار ہوتا تھا، یہ بات بعید از قیاس ہے کہ کوئی بدطینت اُن کے سامنے حضور اقدس ﷺ کی گستاخی و بے ادبی کرے اور وہ اُس کے خلاف کوئی دوٹوک فیصلہ نہ کریں۔ خاتم المحققین حضرت علامہ ابن عابدین شامی حنفی (۱۲۵۱ھ/ ۱۸۳۶ء) قدّس سرہٗ لکھتے ہیں: ''سیرت صحابۂ کرام مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ سارے صحابہ اِس پر (گستاخ رسول ﷺ کے کفر و قتل پر) متفق ہیں، کیوں کہ صحابۂ کرام کے مختلف واقعات، جو اجماع پر مشتمل ہیں کثرت سے منقول ہیں اور کسی نے بھی اُن کا انکار نہیں کیا ہے''۔ (گستاخان انبیا و صحابہ کا حکم، ص:۱۸)

حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور گستاخ رسول ﷺ کی سزا:

حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں: **اتیت ابابکر وقداغلظ لرجل فردَّ علیه قال فقلت یا خلیفة رسول اللّٰه ﷺ دعنی أضرب عنقَهُ، فقال: اجلس فلیس ذلک لاحدٍ الّا رسول اللّٰه ﷺ'' قال القاضی ابو محمد بن نصر ولم یخالف علیه احد، فاستدل الائمة بهذا الحدیث علیٰ قتل من اغضب النبی ﷺ بکل ما اغضبهُ او آذاهُ او سبَّهُ''** (الشفاء: ۲/۲۲۲، ۲۲۳)

میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اُس دوران آپ نے ایک شخص پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا جب میں نے آپ کی یہ حالت دیکھی تو عرض کیا اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ! مجھے اجازت دیجیے تاکہ میں اِس کی گردن اڑا دوں، تو آپ نے مجھ سے فرمایا بیٹھ جاؤ یہ رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔

سنن ابوداود ص: ۲۵۲، میں ہے: اگر میں تجھے اُس کے قتل کا حکم دیتا تو کیا تو ایسا ہی کرتا؟ انہوں نے کہا ہاں میں ایسا ہی کرتا۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور گستاخ رسول ﷺ کی سزا:

کتب تفسیر میں منقول ہے کہ ایک منافق نماز میں اکثر سورۂ ''عَبَسَ'' پڑھا کرتا تھا تو لوگوں نے اُس کی شکایت حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کی آپ نے اُسے بلا کر پوچھا کیا بات ہے کہ تم اکثر سورۂ عَبَسَ کی تلاوت کرتے ہو؟ اُس نے کہا کہ اِس سورت میں سرکار ﷺ کو (معاذ اللہ) جھڑکا گیا ہے اس لیے میں اِسے نماز میں زیادہ تلاوت کرتا ہوں، تفسیر روح البیان میں ہے: **روی ان عمر ابن الخطاب ان بعض المنافقین یوم قومه فلایقرأ فیهم الاّ سورة عبس فارسل الیه فضرب عنقهُ''** (پارہ ۳۰، زیر آیت) حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک یہ بات پہنچی کہ منافقین میں سے ایک شخص اپنی قوم کی امامت کرتا ہے وہ نماز میں اکثر سورۂ عَبَسَ پڑھتا ہے تو آپ نے اُسے بلا کر قتل کر دیا۔

حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک اور گستاخ رسول ﷺ کو قتل کرنا:

بشر نامی منافق اور ایک یہودی دونوں کا کسی بات میں جھگڑا ہوا تو منافق نے کہا چلو کعب بن اشرف یہودی سے اس بات کا فیصلہ کرا لیتے ہیں تو یہودی اس بات پر راضی نہ ہوا کیوں کہ وہ رشوت خور تھا، اُس نے کہا ہم تمہارے نبی کی خدمت میں فیصلہ

کرانے چلتے ہیں، تو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فیصلہ یہودی کے حق میں کر دیا، وہ فیصلہ اِس منافق کو برداشت نہ ہوا، مجبور کر کے اُسے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لے گیا کہ چلو عمر فاروق سے فیصلہ کرواتے ہیں۔ یہودی نے پوری بات حضرت عمر فاروق کو بتادی کہ ہم پہلے فیصلہ آپ کے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ سے کرا چکے ہیں اور اُنہوں نے میرے حق میں فیصلہ فرمادیا ہے، لیکن اِسے منظور نہیں ہے، آپ نے اُس منافق سے پوچھا کیا یہ بات صحیح ہے؟ اُس نے کہاہاں یہ بات صحیح ہے، تو حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دونوں سے فرمایا: رویدکماحتیٰ اخرج الیکما فدخل عمر البیت واخذالسیف واشتمل علیہ ثم خرج فضرب عنق المنافق حتیٰ برد'' (تفسیر مظہری:۱۵۴/۲/تفسیر کشاف:۵۲۵/۱ تفسیر درمنثور:۴۹۴/۲/تفسیر روح البیان ۱۲۷/۳ تفسیر کبیر:۲۴۹/۳ /تفسیر روح المعانی:۶۷/۵)

یہیں ٹھہرے رہو یہاں تک کہ میں تمہاری طرف نکل آؤں، حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر تشریف لے گئے تلوار اٹھائی اور اُس منافق کی گردن اڑادی یہاں تک کہ وہ ٹھنڈا ہو گیا۔ پھر فرمایا: ھکذااقضیٰ بین من لم یرض بقضاء اللّٰہ وقضاء رسولہ'' میں اس طرح فیصلہ کرتا ہوں اُس شخص کے بارے میں جو اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے فیصلے کو نہ مانے۔ مدینہ شریف میں یہ بات پھیل گئی کہ عمر نے ایک مسلمان کو قتل کر دیا تو حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ماکنت اظن عمریجتریٔ علیٰ قتل مومن'' (تفسیر کشاف:۵۲۵/۱) میں گمان نہیں کرسکتا کہ عمر کسی مسلمان کو قتل کرنے کی کوشش کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ پر وحی نازل فرمائی، اَلَمْ تَرَا اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَحَاکَمُوْا اِلَی الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْا اَنْ یَّکْفُرُوْا بِہٖ وَیُرِیْدُ الشَّیْطٰنُ اَنْ یُّضِلَّھُمْ ضَلٰلاً بَعِیْدًا. فَلَا وَرَبِّکَ لَایُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَاشَجَرَ بَیْنَھُمْ ثُمَّ لَایَجِدُوْافِیْ اَنْفُسِھِمْ حَرَجًامِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا'' (سورۃ النساء:۶۰،۶۵) کیا تم نے اُنہیں نہ دیکھا جن کا دعوی ہے کہ وہ ایمان لائے اُس پر جو تمہاری طرف اترا، اور اُس پر جو تم سے پہلے اترا پھر چاہتے ہیں کہ شیطان کو اپنا پنچ بنائیں، اور اُن کو تو حکم یہ تھا کہ اُسے اصلاً نہ مانیں، اور ابلیس یہ چاہتا ہے کہ اُنہیں دور بہکا دے۔ تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم! وہ مسلمان نہ ہونگے جب تک آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں، پھر جو کچھ تم حکم فرماؤ اپنے دلوں میں اُس سے رکاوٹ نہ پائیں، اور جی سے مان لیں'' (کنزالایمان)

اِس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح گستاخ رسول ﷺ کے کفر و قتل پر عہد رسالت میں عمل ہوا اسی طرح عہد صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں بھی اِسی حکم پر عمل کیا گیا، تاکہ امت مسلمہ حضور نبی کریم ﷺ کے کسی بھی گستاخ کے کفر و قتل کے متعلق شک وشبہ میں مبتلا نہ ہو، آج بھی اِس بات پر امت کا اجماع ہے کہ گستاخ رسول واجب القتل، مباح الدم ہے۔

وحیدالدین دہلوی کا موقف: گستاخ رسول امت مسلمہ کے نزدیک واجب القتل اور مباح الدم ہے۔ کسی بھی محقق، مفسر یا فقیہ نے اس کا انکار کر کے خرق اجماع امت نہ کیا۔ مگر مولوی وحیدالدین خاں صدر اسلامی مرکز دہلی نے اس اجماعی حکم کو کمزور ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے لیے کسی دلیل پر اعتماد کی بجائے اپنا مخصوص اسلوب بیان اختیار کرتے ہوئے لکھا:

اُن کے (یعنی اہل سنت وجماعت کے) خیال کے مطابق اگر کوئی شخص پیغمبر کی ذات کے معاملے میں گستاخی کا کلمہ کہہ دے تو وہ بھڑک اٹھیں گے اور چاہیں گے کہ ایسے آدمی کو قتل کر ڈالیں۔ ایسے لوگ اپنے پیغمبر کے بارے میں جو...... (باقی صفحہ ۳۲ پر)

قانون اہانت رسول ﷺ عہد جدید میں

طارق انور مصباحی-(جامعہ حضرت بلال بنگلور)

گزشتہ صفحات میں آپ نے عہد رسالت اور عہد صحابہ میں توہین رسالت کا حکم دلائل کے ساتھ مطالعہ کیا، اب دور جدید میں پاکستان میں قانون اہانت رسول پر نظر ڈالیں۔ اور اس تناظر میں آپ اظہار خیال فرمائیں کہ ہندوستان اور دیگر ملکوں کے مسلمان اپنے ملکوں میں اس قانون کو کس طرح منظور اور نافذ العمل کرا سکتے ہیں، اس کے لیے مسلم قیادت کو کس نہج پر کوشش کرنی ہوگی۔ خصوصاً ان حالات میں جب کہ مسلمانوں کے مابین بھی ایسے لوگ ہیں جو شان رسالت گھٹانے میں باک نہیں رکھتے، اور غیر قوموں کے افراد ایسا کر کے مسلمانوں کی غیرت کو للکارتے یا عقیدت ومحبت کو آزماتے ہیں۔ توہین رسالت کے مختلف واقعات دنیا کے کسی نہ کسی حصے میں ہوتے ہی رہتے ہیں لہٰذا مسلم ماہرین قانون کو اس سلسلے میں کیا اقدام کرنے ہوں گے؟ اس پر بھی قارئین کی توجہ چاہیے۔ (ادارہ)

پاکستان وہ پہلا ملک ہے جہاں کے پارلیامنٹ میں اہانت رسول ﷺ کے مجرم کے لیے سب سے پہلے سزائے موت کا قانون بلا بحث ومباحثہ کے پاس ہوا- پھر دوبارہ پاکستانی پارلیامنٹ میں اسی قانون کی تائید وتوثیق کی گئی- تاریخی حقائق کی روشنی میں اس کا پس منظر وپیش منظر کچھ اس طرح ہے۔

۱۷/مئی ۱۹۸۶ء کی شام کو اسلام آباد پاکستان کے ایک ہوٹل میں ایک عظیم سیمینار منعقد ہوا تھا- جس میں ارباب علم وفضل واہل سیاست وحکومت شریک تھے- اسی سیمینار میں پاکستان میں حقوق انسانی کمیشن کی چیئر پرسن عاصمہ جہانگیر ایڈوکیٹ نے شریعت بل کے خلاف تقریر کرتے ہوئے حضرت حبیب محتشم ﷺ کی شان اقدس میں کچھ بے ادبانہ جملے استعمال کیے۔ اس گستاخی پر ''راولپنڈی بار ایسوسی ایشن'' کے اراکین میں سے مسٹر عباد الرحمٰن ایڈوکیٹ ومسٹر ظہیر احمد قادری ایڈوکیٹ نے سخت احتجاج کیا۔ جب اس بے ادبی کی خبر اگلے روز اخبارات میں شائع ہوئی تو سارا پاکستان اٹھ کھڑا ہوا، اور توہین رسالت کے لیے قانون سازی کا مطالبہ ہونے لگا۔ (روزنامہ جنگ لاہور- ۲۶/ جون ۱۹۸۶ء)

عاصمہ جہانگیر کی گستاخی پر سب سے پہلے نیشنل اسمبلی (پاکستانی پارلیامنٹ) میں ایم این اے محترمہ نثار فاطمہ نے احتجاج کیا اور حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا کہ حکومت عاصمہ جہانگیر کی گستاخی سے متعلق فوراً ایکشن لے، لیکن اس وقت تک پاکستانی دستور میں اہانت رسول ﷺ سے متعلق کوئی قانون نہیں تھا، اس لیے حکومت کی جانب سے کوئی مضبوط کاروائی نہ ہوسکی، اس کے بعد محترمہ نثار فاطمہ نے پاکستانی پارلیامنٹ میں ایک بل پیش کیا، جس میں توہین رسول ﷺ کی اسلامی سزا، سزائے موت تجویز کی گئی، نیشنل اسمبلی کی بھاری اکثریت نے اس بل کو منظور کیا۔ اس طرح پاکستانی تعزیرات میں دفعہ C/295 کا اضافہ ہوا، جس میں صراحت کی گئی کہ اگر کوئی شخص زبانی یا تحریری

الفاظ کے ذریعہ یاواضح انداز میں یا بذریعہ بہتان طرازی یا بذریعہ طعن آمیز اشارہ وکنایہ براہ راست یا بالواسطہ طور پر حضرت حبیب معظم ﷺ کی بے ادبی کرتا ہے یا ان کے اسم مبارک کی بے ادبی کرتا ہے تو وہ سزائے موت کا مستوجب ہوگا۔ یا اسے تاحیات قید کی سزادی جائے گی، اور اس سے جرمانہ بھی لیا جاسکے گا۔

اس قانون میں دوسزائیں تجویز کی گئی تھیں، سزائے موت یا عمر قید کی سزا، حالانکہ محترمہ نثار فاطمہ کی طرف سے پارلیامنٹ میں پیش کیے گئے بل میں توہین رسول ﷺ کی سزا صرف سزائے موت تجویز کی گئی تھی، اور ارکان پارلیامنٹ نے اسی کی منظوری دی تھی، مگر وزارت قانون کی طرف سے اس بل میں یہ ترمیم کی گئی کہ گستاخ رسول ﷺ کی سزا، سزائے موت یا عمر قید ہوگی۔ چونکہ اہانت رسول ﷺ پر عمر قید کی سزا اسلامی قانون کے خلاف تھی اس لیے سپریم کورٹ کے سینئر ایڈوکیٹ محمد اسماعیل قریشی نے اس قانون کو وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کر دیا کہ توہین رسول ﷺ کی سزا بطور حد سزائے موت ہے، اور حد کی سزا میں حکومت ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کو بھی ذرہ برابر کمی بیشی کا اختیار نہیں۔ اور یہ نا قابل معافی جرم ہے۔ اس مقدمہ کی باقاعدہ سماعت نومبر ۱۹۸۹ء سے شروع ہوئی- وفاقی شرعی عدالت نے اس مقدمہ کی سماعت کے لیے پانچ ججوں پر مشتمل ایک مکمل بنچ تشکیل دیا، اس بنچ کے ارکان یہ ہیں: (۱) جسٹس گل محمد خاں چیف جسٹس (۲) جسٹس عبدالکریم خاں کندی (۳) جسٹس عبادت یار خاں (۴) جسٹس عبدالرزاق اے تھیم (۵) جسٹس فدا محمد خاں۔

اس بنچ نے ایک طویل عرصے تک اس مقدمہ کی سماعت کی، اور متعدد اسکالروں، تمام مسالک کے مذہبی رہنماؤں اور اس موضوع پر مہارت رکھنے والے قانون دانوں کو بھی طلب کیا، تاکہ تمام لوگ اس موضوع پر اپنی رائے پیش کر کے عدالت کی معاونت کریں۔

ججوں کے اس بنچ کے سامنے علامہ سعید احمد کاظمی، مفتی غلام سرور قادری جیسی متعدد علمی شخصیات نے بھی حصہ لیا۔

۳۰/اکتوبر ۱۹۹۰ء کو وفاقی شرعی عدالت نے اس مقدمہ کا متفقہ فیصلہ سنایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین وبے حرمتی یا ان کے اسم مبارک کی توہین وبے ادبی کے جرم میں متبادل سزا ''تاحیات قید'' اسلام کی واضح نصوص واحکام کے منافی ہے۔ عدالت نے مزید کہا کہ دفعہ C/295 میں ''تاحیات قید'' کا لفظ توہین رسالت مآب ﷺ کے حوالے سے شریعت اسلامیہ کے خلاف ہے، اس لیے صدر پاکستان کو ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ ۳۰/اپریل ۱۹۹۱ء تک اس قانون کی اصلاح کریں، اور اس دفعہ سے ''تاحیات قید'' کے الفاظ ختم کریں۔ اور یہ کہ اگر تاریخ مقررہ تک ایسا نہ کیا گیا تو پھر یہ الفاظ خود بخود کالعدم تصور کیے جائیں گے، اور صرف سزائے موت ملک کا قانون بن جائے گا۔ چنانچہ مقررہ تاریخ تک یہ کام نہ ہوسکا، اور نتیجہ یہ ہوا کہ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ کے مطابق یہ الفاظ خود بخود کالعدم ہوگئے۔ اور وفاقی شرعی عدالت نے توہین رسول کی سزا یعنی سزائے موت کو قرآن وسنت سے ماخوذ اور صحیح قرار دیا۔ (PLD-1991-FSC-10)

خیال رہے کہ پاکستان کے دستور کی دفعہ D-203 کے تحت صرف وفاقی شرعی عدالت اس امر کی مجاز ہے کہ وہ کسی قانون کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا فیصلہ کرے- دفعہ D-203 میں لکھا گیا ہے کہ ''عدالت ازخود نوٹس پر یا پاکستان کے کسی شہری کی پٹیشن پر یا وفاقی حکومت یا کسی صوبائی حکومت کی پٹیشن پر یہ اختیار رکھتی ہے کہ وہ قرآن وسنت کے اصولوں کی روشنی میں کسی بھی قانون یا اس کی کسی شق کے بارے میں اسلام کے مطابق یا اسلام سے متصادم ہونے کا فیصلہ کر سکے۔

پاکستان میں پارلیامانی طریقہ کار اور قانون سازی کی

روایات کے مطابق پارلیامنٹ کی طرف سے وضع کردہ قانون توہین رسالت کئی دہائیوں سے نافذ العمل ہے، اور آئینی عدالت کے معیار پر پورا اتر چکا ہے۔ وفاقی شرعی عدالت کے فیصلہ میں کہا گیا ہے کہ گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے موت کی سزا کے علاوہ کسی بھی قسم کی متبادل سزا اسلامی تعلیمات سے متصادم ہوگی۔ اور دستور پاکستان کی دفعہ D-203 کی ذیلی شق 2 کی شق B کے تحت یہ فیصلہ فوری طور پر نافذ العمل ہو چکا ہے-۲/ جون ۱۹۹۲ء کو پاکستانی پارلیامنٹ یعنی نیشنل اسمبلی نے ایک قرارداد متفقہ طور پر منظور کی جس میں حکومت سے کہا گیا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کی توہین پر صرف اور صرف سزائے موت ہی دی جانی چاہیے۔ پاکستانی سینیٹ نے بھی اسے قبول کیا اور ۸/ جولائی ۱۹۹۲ء کو سینیٹ میں ترمیمی قانون متفقہ طور پر منظور کیا گیا، جس میں توہین رسول ﷺ کے جرم کے لیے صرف موت کی سزا دینے کا حکم دیا گیا، اس طرح پاکستانی پارلیامنٹ میں توہین رسول بل دوبار منظور کیا گیا- اور مجرم کے لیے موت کی سزا قرار پائی۔

اسلام کے خلاف تمام مذاہب عالم متحد و متفق ہیں۔ اسی کی تعبیر ''الکفر ملۃ واحدۃ'' سے کی گئی ہے۔ فارسی کا شعر اسی مفہوم کی واضح تعبیر کرتا ہے- جو ہم مسلمانوں کو ہمیشہ ذہن نشیں رکھنا چاہیے۔

کافر ہر فرد و فرقہ دشمن مارا　　مرتد، مشرک، یہود و گیر و ترسا

۳۰/ستمبر ۲۰۰۵ء کو ڈنمارک کے اخبار جے لینڈ پوسٹن (JYLIANDS POSTEN) نے حضرت حبیب معظم ﷺ سے متعلق توہین آمیز کارٹون شائع کیے۔ اس کی دیکھا دیکھی دیگر یورپی ممالک نے بھی خاکے شائع کیے۔ دیکھتے ہی دیکھتے سارا عالم اسلام اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ دنیا کے بے شمار شہروں میں احتجاج اور مظاہرے ہوئے۔ بہت سے مسلم ممالک نے ڈنمارک سے اپنے سفیر واپس بلا لیے۔ اور وہاں کی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا۔ اب ۳۰/نومبر ۲۰۱۵ء کو لکھنو کے کملیش تیواری نے ہندوستان میں حضرت حبیب معظم ﷺ کی شان مقدس میں ایسی توہین کی ہے کہ چودہ صدیوں میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ ہندوستان کے اکثر و بیشتر شہروں میں بھاری بھرکم مظاہرے ہوئے اور حکومت کو میمورنڈم پیش کیا گیا کہ مجرم کو سخت سزا دی جائے۔ لازم ہے کہ ہندوستانی مسلمان سر سے کفن باندھ کر اٹھ کھڑے ہوں- اور زبردست قانونی دفاع (LEGAL DEFENCE) کریں- حکومت ہند سے مطالبہ کیا جائے کہ پارلیامنٹ سے ایسا قانون پاس کیا جائے کہ جو بھی کسی بھی مذہب کے بانی (founder) یا رہنمائے اول کے اخلاق و کردار سے متعلق اتنا سخت اور صریح بہتان لگائے اس کے لیے پھانسی کی سزا متعین کی جائے، مختلف جرائم پر ہندوستان میں پھانسی کی سزا موجود ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

(بقیہ صفحہ ۲۹)......کتابیں لکھیں گے ان میں شاعرانہ مبالغہ آرائی تو بہت ہوگی لیکن علمی اور تاریخی مواد اُن کے اندر بہت کم پایا جائے گا''۔

مزید لکھا: قرآن میں اس حکم کی کوئی اصل موجود نہیں، (کیوں کہ) شاتم کی حیثیت ایک مدعو کی ہے شاتم کو دعوت دینا ہے نہ کہ قتل کرنا۔ بظاہر شاتم دشمن نظر آتا ہے تب بھی اپنی فطرت کے اعتبار سے وہ ایک انسان ہے۔ اگر اس کے سامنے اسلام کا دین حکیمانہ انداز میں پیش کیا جائے تو عین ممکن ہے کہ وہ اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرے اور اس کی دشمنی دوستی میں تبدیل ہو جائے''۔ (الرسالہ، دہلی۔ ص: ۹، ۱۷، اگست ۲۰۱۵ء)

اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے اہل سنت وجماعت کا تحفظ فرمائے جن کے نزدیک گستاخ رسول بھی مجرم نہیں، بلکہ معافی کے قابل ہے۔ اللہ تعالیٰ شہید ممتاز قادری کو جزا دے جس نے ایک گستاخ رسول کو کیفر کردار تک پہنچا دیا۔☆

ہند میں آمد خواجہ کی بہار

محمد عطاء الرحمٰن نوری مالیگاؤں 9270969026

جس ملک سے پیغمبر اسلام کی محبت کا عالم یہ ہے کہ وادیٔ حجاز میں اس (ہند) کی خوشبو محسوس کرتے ہوں وہ سرزمین اسلام کی دعوت وتبلیغ سے کیسے محروم رہ سکتی تھی۔ دور رسالت ہی میں یہاں اسلام کی شمع روشن ہو چکی تھی۔ مالابار کے راجہ ''زمورن سامری'' نے محیر العقول معجزہ ''شق القمر'' کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کچھ دن بعد اسلام قبول کرلیا۔ ہند سے ایک وفد بارگاہ رسالت میں زنجبیل (سونٹھ) کا تحفہ لے کر حاضر آیا تھا۔ (مستدرک، حاکم، ۳۵/۴، بحوالہ: سلطان الہند، ص۱۳، از: ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی)

ہندوستان پر کئی مجاہدین نے فوج کشی کی۔ غزوۂ ہند کا یہ ذوق محض کشور کشائی کے جذبے سے نہیں تھا بلکہ انہوں نے جہادِ ہند کے لیے پیش رفت ارشاد نبوی کی تکمیل کے لیے کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے دو گروہوں کو اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ سے محفوظ رکھا ہے۔ ایک وہ گروہ جو ہندوستان میں جہاد کرے گا اور دوسرا وہ گروہ جو حضرت ابن مریم کا ساتھ دے گا۔ (مرجع سابق، ص۱۳)

مسلم فاتحین وسلاطین نے طاقت وقوت کے زور پر ہندوستان میں شمع اسلام کو روشن کیا۔ تاج وتخت کے مالک بنے اور شاہانہ طمطراق کے جلوے دِکھا کر رخصت ہو گئے۔ لیکن درحقیقت قدرت خداوندی نے ہندوستان کی فتح اور یہاں اسلامی اقتدار کا قیام ایسے فرزند توحید کے نام لکھ دیا تھا جس نے للٰہیت، ربانیت، عشق خدا، ذوق اتباع سنت، حب رسول، دل سوزی، بلند ہمتی، تازگی فکر، نور بصیرت، فراست ایمانی، حقیقت پسندی، اعتقاد صحیح، عمل صالح، وسعت قلب ونظر اور اخلاص وایثار کی متاع گراں بہا سے شمع اسلام کو روشن کیا اور اس کی روشنی سے ملک کے ہر خطے کو تابناک کیا۔

اسے دنیا قطب الاقطاب، معین الملۃ والحق، خواجۂ خواجگاں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کے نام سے جانتی ہے۔ مجاہدین، تاجروں، خودمختار حکمرانوں سے اسلام کو وہ استحکام نہ مل سکا جیسا نائب النبی فی الہند نے عطا فرمایا۔ آپ نے صبحِ قیامت تک کے لیے اس دیار میں اسلامی بنیادوں کو مضبوط ومستحکم فرمادیا۔ ہم ہندوستانیوں کو بھی چاہیے کہ رسول اکرم ﷺ کی نگاہ خاص کے فیوض وبرکات کو حاصل کرتے ہوئے مقصد خواجہ پر عمل کریں، دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیں اور بزرگان دین سے محبت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ان کے مشن کو عام کیا جائے۔

اللہ پاک نے سلطان الہند، عطائے رسول حضرت خواجہ غریب نواز چشتی اجمیری قدس سرہ (۵۳۴/۶۳۳ھ) کو وہ عزت وعظمت اور رفعت وبلندی عطا کی کہ اہل تاریخ وسیر کی تو بات دیگر ہے، اربابِ سیاست وحکومت بھی غریب نواز کی حکومت وسلطنت کو اب بھی تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ غریب نواز ہندوستان کیا آئے بہار آ گئی، اسلام کی رونق وروشنی نے کفر وضلالت اور نفاق وجہالت سے لوگوں کے قلوب کو مجلیٰ ومصفیٰ کیا۔ آج دین کی جو باغ وبہار نظر آرہی ہے وہ حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ کی ہی تبلیغی کاوشوں اور بے پناہ دینی مساعی کا ثمرہ ہے، کیوں نہ ہو کہ خود ہمارے آقا حضور رحمت عالم ﷺ نے اپنے دربارِ

اقدس میں حاضری کے وقت یہ بشارت سنائی:

''اے معین الدین !تو میرے دین کا معین ہے، میں نے تجھے ہندوستان کی ولایت عطا کی، وہاں کفر وظلمت پھیلی ہوئی ہے۔ تو اجمیر جا، تیرے وجود سے ظلمت وکفر، دور ہوگی اور اسلام کی رونق بڑھ جائے گی۔'' (سیرالاقطاب،ص:۱۲۴)

اسی طرح حج کے دوران کعبہ میں حضرت خواجہ یاد الٰہی میں مشغول تھے کہ آپ نے ایک غیبی آواز سنی ''اے معین الدین !ہم تجھ سے خوش ہیں ،ہم نے تجھے بخش دیا، جو کچھ چاہے مانگ عطا کروں۔'' (اہل سنت کی آواز، مارہرہ شریف،ص:۱۵۸)

یہ تمام بشارتیں بارگاہ الٰہی میں حضرت غریب نواز کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کا ہوجاتا ہے ساری کائنات اس کی تابع ہوجاتی ہے۔ خود خالق کائنات اس بندہ کی اعانت فرماتا ہے۔ فرمان باری تعالی ہے : اگرتم دین خدا کی مدد کروگے اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ (سورہ محمد،۴۷/۷)

حقیقت یہ ہے کہ اولیائے کرام اور صوفیائے عظام نے اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ واشاعت ،اس کی عبادت وریاضت اور تقوی وطہارت کو اپنالیا تو خداواندقدوس نے انہیں وہ عزت وعظمت عطا فرمائی۔ آج ہر ایک دکھ درد کا مارا، اولیائے کرام کے مزارات پر حاضر ہوکر سلام نیاز پیش کرتا ہے اور فیض پاتا ہے۔ اولیائے کرام ہی دین کے سچے پاسبان وعلم بردار ہیں، یہی گروہ فرمان باری تعالیٰ ''وکونو امع الصد قین'' کی سچی تفسیر ہے۔ حضرت خواجہ غریب نواز نے ہندوستان میں آکر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، اسلامی شریعت سے لوگوں کو آشنا کیا، ظلمت کدۂ ہند کو دین مصطفیٰ کے نور سے روشن کیا۔

خواجہ غریب نواز ہندوستان تشریف لائے تو اسلام آیا، ایمان کی بادِ بہاری چلی۔ محبت واخوت، صداقت ودیانت، عدل وانصاف، مساوات و رواداری کا نظام قائم ہوا۔ نہ تیر چلا، نہ تلوار اٹھی، نہ بتوں کو چھوا نہ بت کدوں کو چھیڑا۔ یہ تو محض ان کی نگاہ کیمیا گر کی کشش تھی کہ ترشول برداروں کا جتھے کا جتھا آیا، جب نظر اٹھی، سب اس نظر پُر تاثیر کے اسیر ہوکر رہ گئے۔ وہ ہندوستان جہاں بت پرستی عام تھی وہاں تو حید پرستی عام ہوگئی، پھر ایک دن وہ آیا جب غریب نواز ہندوستان کا طغرائے افتخار قرار پائے۔ اب حکمراں کوئی بھی ہو ان کی چوکھٹ پر اپنا سر عقیدت ٹیک دیتا ہے۔ ہندوستان میں مذہبی مقامات اور مذہبی تہواروں کی کمی تو نہیں جہاں خوب بھیڑ بھاڑ ہوتی ہے ،مگر مختلف قوموں، امیروں، رئیسوں اور وزیروں کی جو بھیڑ یہاں اکٹھی ہوتی ہے وہ کہیں اور نظر نہیں آتی۔

مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ کی دعوت وتبلیغ پر نوے لاکھ سے زیادہ کفار ومشرکین نے اسلام قبول کیا۔ یہ حضرت خواجہ کا ایسا کارنامہ ہے کہ تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ آج ہندوستان میں ایمان واسلام کی جو بہار نظر آرہی ہے یہ سب حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کی دعوت وتبلیغ ہی کا ثمرہ ہے۔ آپ نے تقریباً ۴۵ سال تک سرزمین ہند پر دعوت توحید اور تبلیغ دین فرمائی، اور ظلمت کدۂ ہند میں اسلام کا اُجالا پھیلایا۔

آپ کا اسم گرامی معین الدین ہے، والدین ''حسن'' کہہ کر پکارتے۔ آپ نجیب الطرفین سید تھے۔ شجرۂ نسب بارہویں پشت میں امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے۔ آپ مادرزاد ولی ہونے کے ساتھ بلند پایہ عالم، مصنف اور شاعر بھی تھے۔ ''دلیل العارفین'' ''زبدۃ العقائد'' اور دیوان آپ کی یادگار تصانیف ہیں۔ ''فوائدالسالکین'' آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے حضرت بابا فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ نے مرتب فرمایا تھا۔

اللہ پاک ہمیں بزرگوں کے دامن سے وابستہ رکھے اور اوصاف حمیدہ سے مزین ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ☆

اظہار خیال

اس کالم میں حالات حاضرہ اور واردات قلبی پر مشتمل تحریریں شامل کی جاتی ہیں: (ادارہ)

نوٹ: شہید محبت عاشقِ رسول ممتاز قادری نے نبی آخر الزماں سے اپنی بے انتہا محبت کا قابل قدر کارنامہ پیش کیا اور اپنی جان پر کھیلتے ہوئے سلمان تاثیر کو موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ انہیں پاکستانی قانون اور آئین کے مطابق سزا ہوئی اور دار ورسن تک پہنچے! ان کی موت سے پوری دنیا میں ایک بحث کا آغاز ہوگیا ہے کہ ممتاز قادری کو پھانسی دینا کیسا ہے؟ کیا ممتاز قادری کو سلمان پر گولی چلانی چاہیے تھی؟ کیا ممتاز قادری شہید کہلائیں گے؟ وغیرہ، اس معاملے میں اسلامی قانون اور پاکستانی آئین کیا کہتا ہے؟ بہر کیف یہ بحث کا موضوع ہے۔ سردست ممتاز قادری کے اس پورے سانحے پر ایک تعارفی رپورٹ پیش کی جارہی ہے۔ قارئین کرام اگر اس حوالے سے اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہیں تو ہمیں اپنی آرا اور تأثرات ضرور لکھ بھیجیں۔ (آفتاب مصباحی)

ممتاز قادری کا سانحہ

محمد رضا فراز

ناموسِ رسالت کے تحفظ کے لیے اپنی جان قربان کرنے والے ملک ممتاز حسین قادری آج پوری دنیا میں ناموس رسالت کی علامت بن چکے ہیں۔ ممتاز حسین قادری نے شریعت اور صاحب شریعت ﷺ کی شان میں مبینہ گستاخی کرنے والے سلمان تاثیر کو ۴؍جنوری ۲۰۱۱ء کو تابڑ توڑ گولیوں سے بھون دیا تھا، جس کی پاداش میں انھیں پانچ سالوں تک جیل میں رکھنے کے بعد آخر کار ۲۹؍فروری ۲۰۱۶ کو پھانسی دے دی گئی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

دراصل شانِ رسالت میں گستاخی کے الزام میں گرفتار پاکستان کی ایک مسیحی خاتون آسیہ مسیح کی حمایت میں پنجاب کے گورنر سلمان تاثیر نے بیانات دیے، اس کی رہائی کی کوششیں کیں، اور پاکستان میں موجود قانون اہانت رسول کی مخالفت کی، یہاں تک کہ اسے ''کالا قانون'' قرار دیا۔ جس پر پورے پاکستان کے مسلمان ان کے خلاف ہوگئے، اور احتجاجی تقریریں بھی ہوئیں، علمائے کرام نے ان کے خلاف فتوے صادر کیے اور رجوع کا مطالبہ کیا گیا جس پر انھوں نے کہا کہ ایسے فتووں کو میں جوتے کی نوک پر رکھتا ہوں۔ علمائے اہل سنت نے ان کے بیانات کی روشنی میں انھیں واجب القتل قرار دیا، چنانچہ ممتاز حسین قادری نے ۴؍جنوری ۲۰۱۱ کو سلمان تاثیر کو قتل کر دیا۔ ممتاز حسین قادری پاکستانی سکیوریٹی کے اہلکار تھے اور کسی طرح کے مجرمانہ ریکارڈ کے حامل نہیں تھے۔ انھوں نے سلمان تاثیر پر گولیاں چلانے کے بعد بھاگنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ خود کو پولس کے حوالے کرتے ہوئے ہر طرح کی سزا قبول کرنے کے لیے آمادگی ظاہر کی۔ اپنے بیان کے مطابق انھوں نے ایسا ناموسِ رسالت کے تحفظ کی خاطر کیا، تاکہ آئندہ پاکستان کی کوئی بڑی شخصیت اس طرح کی حرکت نہ

کرے۔

ممتاز قادری کی گرفتاری سے لے کر ان کی پھانسی تک پاکستان کے مسلمانوں نے ان کی رہائی کے لیے کوششیں کیں۔علمائے اہل سنت کی دلیل یہ تھی سلمان تاثیر اپنے بیانات کے سبب واجب القتل تھے اس لیے ان کو قتل کرنے والے پر کوئی قصاص لازم نہیں آتا،لہٰذا ان کو باعزت رہا کیا جائے۔لیکن قانونی کارروائی میں کورٹ نے انھیں موت کی سزا سنائی۔اور بالآخر انھیں ۲۹ر فروری ۲۰۱۶ء کو صبح ۴ر بجے پھانسی دے دی گئی۔

ممتاز قادری کی پھانسی کے بعد پورے پاکستان میں طوفان برپا ہوگیا، پورے ملک میں احتجاج ومظاہرے ہونے لگے، پاکستان کے پشاور، لاہور، کراچی، اسلام آباد جیسے شہروں میں احتجاج کیے گئے، وکلا کی تنظیم نے حکومت کے اس فیصلے کا بائیکاٹ کرتے ہوئے ہڑتال کیا،اور حکومت کے اس فیصلے کی سخت مذمت کی۔پاکستان کی سنی تحریک کے اعلان پر پورے ملک میں اس قدر مظاہرے ہوئے کہ بسیں، میٹرو اور دوسرے آمد ورفت کے ذرائع روک دیے گئے۔اب جب کہ ان کی پھانسی ہو چکی ہے،ان کے جنازے میں امڈی بھیڑ نے یہ ثابت کردیا کہ پورا پاکستان ممتاز قادری کے ساتھ ہے اور انھوں نے جو قدم اٹھایا تھا وہ شریعت اسلامی کی رو سے بالکل صحیح تھا۔اور آج ممتاز قادری اسلامی تاریخ کے ہیرو بن چکے ہیں۔

کچھ ممتاز قادری کے بارے میں:

ملک ممتاز حسین قادری راولپنڈی پاکستان میں ۱۹۸۵ میں پیدا ہوئے۔سبزی فروش باپ کے بیٹے ممتاز قادری بنیادی طور سے سنی تھے، تحریک دعوت اسلامی سے وابستہ رہے۔اس کے بعد انھوں نے پولس کی ٹریننگ لینے کے بعد ۲۰۰۲ میں پنجاب پولس میں ملازمت اختیار کی۔اپنی غیر معمولی صلاحیت اور بہادری کی بنیاد پر انھیں بہت جلد ترقی ملی، چنانچہ ۲۰۰۷ میں وہ پاکستان کی ایلیٹ (جو سب سے زیادہ بہادر اور تیز تر ہوتی ہے) پولس کے ممبر بن گئے اور ۲۰۱۰ میں پنجاب کے سابق گورنر سلمان تاثیر کے حفاظتی دستے میں شامل ہوگئے۔اپنی غیر معمولی وضع قطع اور صلاحیت کی بنیاد پر زندگی کے بہت کم عرصے میں اس مقام کو حاصل کرلیا۔

ممتاز قادری کا عشق رسول:

ممتاز قادری پاکستان کی سنی اور دعوت اسلامی کی تحریکوں سے وابستہ تھے، مذہبی طور سے وہ بہت راسخ العقیدہ تھے، دینی محافل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے، شروع سے ہی چہرے پر سنت رسول 'داڑھی' سجائی جوان کی شہادت تک چمکتی رہی، پاکستان کے شعلہ بیان مقرر مفتی حنیف قریشی کی تقریر سن کر ممتاز قادری نے سلمان تاثیر کو قتل کرنے کا فیصلہ کرلیا۔پولس میں رہتے ہوئے بھی انھوں نے خود کو سنت رسول سے لبریز رکھا۔ان کی نعت آج پوری دنیا میں یوٹیوب اور سوشل میڈیا پر شیئر کی جارہی ہے،لوگ دیکھ رہے ہیں،ان کے پر درد لہجے اور پرسوز نغمے کو سن کر ممتاز قادری کی دلی کیفیت اور رسول گرامی وقار ﷺ سے بے انتہا الفت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

جنازے کا فیصلہ:

سلمان تاثیر کی نمازِ جنازہ کی کیفیت کچھ ایسی تھی کہ نہ کوئی خاص تعداد شریک تھی، نہ کوئی جنازہ پڑھانے والا مل رہا تھا۔جن سے بھی گزارش کی جاتی انکار کردیتے، بالآخر بڑی مشکلوں سے جنازے کی کاروائی مکمل کی گئی۔

لیکن دوسری طرف ممتاز حسین قادری کے جنازے کے لیے ایک دن پہلے سے لوگ راولپنڈی کے لیاقت باغ پہنچنے لگے۔جنازہ

کے دن اتنی بڑی جمعیت اکٹھا ہوگئی کہ پاکستان کی تاریخ میں اتنا بڑا مجمع کسی کی نماز جنازہ میں کبھی نہیں دیکھا گیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کے کسی جنازے میں اتنا بڑا مجمع ریکارڈ نہیں کیا گیا۔ ان کے جنازے میں پاکستان کے اکابر علمائے کرام نے شرکت کی، اور نماز جنازہ پاکستان کے بزرگ عالم دین علامہ سید حسین الدین شاہ صاحب نے پڑھائی۔

عاشق رسول ممتاز حسین قادری کی پھانسی پر ناراضگی

مدارس میں قرآن خوانی اور دعاؤں کا اہتمام کرنے کی رضا اکیڈمی اپیل

پاکستان کی مشہور شخصیت اور عاشق رسول جناب ممتاز حسین قادری کو گزشتہ روز گستاخ رسول سلمان تاثیر کے قتل کے الزام میں تختہ دار پر چڑھا دیا گیا، اس واقعہ کے خلاف نہ صرف پاکستان بلکہ ہندوستان میں بھی شدید غم وغصہ کا اظہار کیا جارہا ہے، اطلاعات کے مطابق شہید ممتاز حسین قادری نے سال ۲۰۱۱ء میں پنجاب کے گورنر سلمان تاثیر کو اس وجہ سے قتل کر دیا تھا کہ وہ ناموس رسالت کے قانون کو پاکستان سے ختم کروادینا چاہتے تھے، شہید ممتاز حسین قادری پنجاب کے گورنر سلمان تاثیر کے محافظ تھے، انھیں اس بات کا شدید افسوس تھا کہ ایک ممتاز پاکستانی شخصیت ناموس رسالت کے خلاف بیان بازی کر رہی ہے۔ اس سلسلے میں وہ اپنا غم وغصہ نہیں روک پائے اور شدید صدمے کے عالم میں انھوں نے پنجاب کے گورنر پر گولی چلادی۔ پاکستان میں کئی برسوں تک مقدمے کی کارروائی کے بعد بالآخر ۲۹ رفروری کو جمہوریہ اسلام پاکستان نے انھیں پھانسی کی سزادی۔ رضا اکیڈمی کے جنرل سکریٹری محمد سعید نوری نے اس سانحے پر شدید غم وغصہ کا اظہار کیا ہے اور تمام اسلامی مدارس سے اپیل کی ہے کہ وہ شہید ممتاز حسین قادری کی حمایت اور حکومت پاکستان کی سزا کے خلاف احتجاج کریں اور مدارس میں ان کی روح کو ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی کا اہتمام کریں اور علمائے کرام اپنی اپنی مساجد میں ان کے حق میں دعاوں کا اہتمام کریں۔

محمد عارف رضوی رضا اکیڈمی ممبئی

☆☆☆

میٹروپولیٹین شہروں کے خانہ بدوش بچے

محمد نعیم مصباحی، جے این یو
Cell: 9899672293

روڈ کے دونوں طرف تیز رفتار کاریں اور بسیں گذر رہی ہیں جبکہ درمیان میں واقع فٹ پاتھ پر آوارہ بچوں کی بھیڑ ہے جو گھر گھر وندا کھیل رہے ہیں۔ یہ منظر Vasant Kunj کے DLF روڈ کا ہے، حالانکہ دہلی کی سڑکوں پر اس طرح کے مناظر بہت عام ہیں۔ بچے اپنی دنیا میں اس قدر گم ہیں کہ اُنھیں نہ اپنی خبر نہ کسی کی پرواہ اور نہ ہی دنیا کو اُن کی فکر کرنے کی فرصت ہے۔ چونکہ میں اپنی روزمرہ کی مصروفیات سے فارغ ہوکر شام کی چہل قدمی کو جے این یو سے باہر نکلا تھا جو جمہوری اقدار اور سیکولر روایات کا ایک مثالی نمونہ ہے۔ بچپن کا محبوب کھیل ''گھر گھر وندا،، دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی۔ یکا یک رُکا اور میٹروپولیٹین شہر کے ان بچوں کے ساتھ کھیل میں لگ گیا جو میں اپنے

کمسن دوستوں کے ساتھ گاؤں میں کھیلا کرتا تھا۔ جب میں اُن کے قریب پہونچا تو اندازہ ہوا کہ یہ وہی بچے ہیں جو دہلی جیسے میٹروپولیٹین شہر میں عام طور پر لوگوں کی نظروں سے غائب رہتے ہیں۔ اس کے برعکس لوگوں کا مطمح نظر وہ بچے ہوتے ہیں جو صبح سویرے سفید یونیفارم میں ملبوس، ہشاش بشاش اسکول جاتے نظر آتے ہیں۔ وہیں دوسری جانب کچھ چہرے کمھلائے ہوئے، بال گردوغبار سے اٹے، جو ہزار کوششوں کے باوجود دنیا کی نظرعنایت سے محروم ہیں۔ تاہم میں نے کچھ لمحے اُن کے ساتھ رہنے کا ارادہ کرلیا اور گھر گھروندا کھیلنے کی جدو جہد کرنے لگا۔ میں پس وپیش میں تھا کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا حالانکہ دائیں بائیں کوئی نہ تھا پھر بھی سوسائٹی کی نظر مجھ پر تھی۔

اس میں کوئی دورائے نہیں کہ اگر چہ یہ بچے مختلف میٹروپولیٹین شہروں میں ۲۱ویں صدی کی زندگی جی رہے ہیں تاہم ان کی لائف اسٹائل اُنھیں اصول وضوابط اور رہن سہن پر مبنی ہے جو ۱۸ویں صدی میں عام وتام تھے۔ یہ وہی بچے ہیں جن کی آفرینش ماں کے پیٹ اور مٹی سے عبارت ہے۔ عام طور سے یہاں وہاں فٹ پاتھوں کے کنارے لُوٹتے پوٹتے مل جاتے ہیں۔ ان کی پیدائشی حقیقت یہ ہے کہ جب یہ پیدا ہوتے ہیں تو خود کو بے یارومددگار پاتے ہیں نہ سر چھپانے کو چھت نہ ہی تن ڈھانکنے کو کپڑے۔ اور بالآخر پیٹ بھرنے کے لئے کار ڈرائیوروں کے آگے دست سوال دراز کرنا ان کی مجبوری بن گئی۔ رات آتے ہی ان کا مسکن ایک جیتا جاگتا جہنم بن جاتا ہے جب وہ کھانا کھا کر یا اکثر وبیشتر بھوکے پیٹ کوڑے کی ڈھیروں اور نالیوں پر سونے جاتے ہیں تو وہاں کوڑے کرکٹ کے علاوہ چوہے اور آوارہ کتے بھی اُنکے ہمسایہ ہوتے ہیں۔ ان مقامات پر سونا مچھروں کے خطرے سے خالی نہیں جو بنی نوع انسان کے روایتی دشمن ہیں۔ اور صبح جب آنکھ کھلتی ہے تو ان میں سے کچھ لوگ خود کو میونسپل کارپوریشن کے ٹرک میں پاتے ہیں۔ بدقسمتی سے اگر وہ آواز نہ لگائیں تو شاید کوڑے کرکٹ کے ساتھ زندہ دفن کردئے جائیں۔ کوڑے کرکٹ یا فٹ پاتھ اور ان کے بیچ دیرینہ تعلق ان میں دن کی روشنی کے خلاف سخت ناپسندیدگی کا احساس پیدا کرتا ہے۔ ان ناموافق حالات نے اُنھیں بے شمار سبق سکھائے نیز یکے بعد دیگرے ۱۸/سال تک مٹی سے کھیلنے کا عادی بناڈالا، جبکہ اُن کے ہم عمر بچے میڈیکل، انجینئرنگ اور درس وتدریس کی تیاریوں میں مصروف تھے، البتہ انھیں بُرجوا طبقہ کے اس گیم میں کوئی دلچسپی نہیں۔ اگر کسی چیز کی انھیں فکر ہے تو صرف یہ کہ ان کی موجودگی کی شناخت ہو اور اُن کا وجود تسلیم کیا جائے۔ اس طبقہ کی مانگ یہ ہے کہ لوگ قدر کی نگاہ سے دیکھیں جیسا کہ یہ اُن کا دیرینہ خواب بھی رہا ہے۔

ان کا یہ مشکل سفر کوڑا کرکٹ سے شروع ہوکر مستعمل چیزیں سمیٹنے اور جمع کرنے پر ختم ہوتا ہے۔ روزانہ صبح ۲۰/کلو کے بچے ۵۰/کلو وزنی بورا پیٹھ پر لادے یہاں وہاں کوڑے کی ڈھیروں سے قابل استعمال چیزیں چنتے نظر آتے ہیں۔ یہ بچے کچروں، کتوں اور نالیوں کے بیچ رہتے اور کام کرتے ہیں۔ ہر قدم پر انھیں کتوں اور چوہوں کا سامنا کرنا ہوتا ہے۔ چنانچہ جب یہ کچھ بڑے ہوکر دس سال کی عمر کو پہونچتے ہیں تو انھیں محسوس ہوتا ہے کہ سماجی نقطہ نظر سے یہ کام معزز نہیں، اس لئے مانگنا ترک کرکوئی دوسرا کام تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں سے کچھ بچے فیکٹریوں، کمپنیوں اور کوئلے کی کانوں میں کام کرتے ہیں مگر ان کی حالت غیر انسانی کیفیات سے دوچار ہوتی ہے جو اُنھیں بیمار اور ناروا سلوک کا محور بنادیتی ہے۔ اور اگر کوئی لڑکی یا عورت ہو تو اُسے جنسی استحصال کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ سڑکوں کی زندگی انھیں مختلف ظلم وزیادتی کا تختہ مشق بناتی ہے جہاں انواع واقسام کے استحصال کی یلغار ہوتی ہے، خصوصاً مڈل کلاس جوان کو مشین کی طرح استعمال کرتا ہے اور اُجرت کے نام پر دووقت کی روٹی کے سوا کچھ نہیں دیتا۔ یہ Mini bourgeoisie طبقہ، مڈل کلاس اور اسٹیٹ کے ساتھ مل کر عمداً اِنھیں دوسروں پر منحصر رکھتا ہے کیونکہ اِن کے ہوتے ہوئے اسٹیٹ اور مڈل کلاس کو سستے مزدور بآسانی فراہم

ہو جاتے ہیں۔

موسم گرما کی چلچلاتی دھوپ میں جب نام نہاد تہذیب یافتہ (Civilized) بچے ائرکنڈیشن کمروں میں چین کی نیند سو رہے ہوتے ہیں تب یہ خانہ بدوش یا تو جلتی سڑک پر ننگے پاؤں بوجھ اُٹھاتے یا رکشہ کھینچتے نظر آتے ہیں، حتی کہ سورج بھی اِن پر ترس نہیں کھاتا۔ تقریبا سارے سڑک چھاپ بچے کالے ہوتے ہیں کیونکہ یہ سخت دھوپ میں رہتے ہیں اور پیٹ بھرنے کے لئے ٹھیک دوپہر کے وقت بھی تگ و دو کرتے رہتے ہیں۔

کتنی عجیب بات ہے کہ مڈل کلاس لوگ انھیں رنگ و نسل اور لائف اسٹائل کی بنیاد پر کمتر و ذلیل گردانتے ہیں حالانکہ یہ اُن کی غریبی اور مجبوری کا دوسرا نام ہے۔ کالے اور گورے کا فرق ایک بار پھر سماجی پیمانے پر سر اُٹھا رہا ہے جو فطری بات نہیں، کیونکہ سماجی تانا بانا نہ صرف فطرت کا عکاس ہوتا ہے بلکہ کالے گورے رنگ پر بھی مشتمل ہے۔ پریشان کُن طرز زندگی نہ صرف اِن کی ذہنی خلجان کا باعث ہوتی ہے بلکہ نفسانی طور پر کمزور بھی کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِن میں سے کچھ حد درجہ بدخُلق ہوتے ہیں۔ شموّ نے مجھے بتایا کہ ''میں پیدائشی طور پر اچھا تھا البتہ سماجی حالات اور مجبوریوں نے میری بُری تربیت اور فطری اوصاف و محاسن کو کچلنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی''۔

یہ اُن کی نہیں بلکہ اُس معاشرہ کی خرابی ہے جو اُنھیں بے تکے نام سے یاد کرتا ہے، اُن کی عزت نفس کو ٹھیس پہونچاتا ہے، بنیادی حقوق سے محروم کرتا ہے، اُن کے ساتھ غیر انسانی سلوک روا رکھتا ہے اور خصوصا پولیس انھیں جانوروں کی طرح پیٹتی ہے۔ عموما اُنھیں غنڈہ و بدمعاش تصور کیا جاتا ہے جو اُنھیں مزید ظلم و زیادتی کا نشانہ بناتا ہے۔ جب کہیں کوئی حادثہ پیش آتا ہے خانہ بدوش آوارہ بچے مورد الزام قرار پاتے ہیں۔ پولیس عموما اِن کے ساتھ مجرموں کی طرح پیش آتی ہے گرچہ بلاشبہ اِن میں سے کچھ لوگ مجرمانہ عناصر کے حامل ہوتے ہیں تاہم سب کے ساتھ ایک جیسا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ یہ سڑک چھاپ کریمنل دراصل مجبوری کی پیداوار ہیں۔ جیب میں پیسے نہیں، کھانے کو روٹی نہیں، سونے کو گھر نہیں، ایسی صورت حال میں خانہ بدوش بچوں کے اندر مجرمانہ روش پنپنا فطری بات ہے کیونکہ اس میں اُن کی خوشی نہیں بلکہ ضرورت پوشیدہ ہے۔ یہ خانہ بدوش آوارہ بچے خطرناک حد تک کسی نہ کسی بُری لت کے عادی ہوتے ہیں نیز بیماری اور نقصان دہ چیزوں کا استعمال اُس پر مستزاد۔ اِن کی اکثریت غلط عادات واطوار، ناپسندیدہ سماجی امور مثلا منشیات، تمباکو، سگریٹ نوشی، جہاں تہاں تھوکنا، اور ڈکیتی یا دھوکہ دھڑی جیسی مجرمانہ سرگرمیوں کی عادی ہوتی ہے۔ مذکورہ بالا غیر محبوب صفات اور کچھ دیگر منفی رویّوں کے چلتے دنیا انھیں مشکوک نظروں سے دیکھتی ہے اور ڈھیر سارے ناموں سے یاد کرتی ہے۔ بے شمار غلط چیزیں اُن کا اٹوٹ حصہ بن چکی ہیں جو اُنھیں روزانہ مارتی اور جلاتی ہیں تاہم وہ میدان چھوڑ کر بھاگنے والوں میں نہیں۔ اُنھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ کس طرح اپنے خون پسینے کی کمائی سے زندگی بسر کرنا ہے نیز گھر گھروندا کھیل کر من کو شانتی دینا اور غریبی کے آنسو پونچھنا ہے۔ چنانچہ یہ کہنا حق بجانب ہوگا کہ یہ لوگ حقیقی معنوں میں مجاہد ہیں بلکہ فوج سے بھی زیادہ بہادر ہیں۔ شلپی کی طرح پھسڈی نہیں جو ایک مہذب خاندان میں پلی بڑھی اور بدقسمتی سے جب دسویں کلاس میں فیل ہوئی تو زہر کھالیا تاکہ شکست کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ نیز اِن کی مثال ''چارک بیگ'' سے بھی نہیں ملتی جس نے والد کی سخت ڈانٹ پھٹکار کی تاب نہ لاکر خودکشی کر لی۔ بلکہ ان کی مثال جھٹکا کنٹرول کرنے والی شے کی طرح ہے جو ہر تیز و تند کو اپنے اندر سمو لیتی ہے اور اُس بہادر سپاہی کی طرح جو مرتے دم تک میدان نہیں چھوڑتا۔

مذکورہ صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے بھی سماج اور ساتھ ہی ساتھ حکومت ان کی کاوشوں کو ماننے کے حق میں نہیں، ہاں اگر کوئی شے

حکومت کے نزدیک اہمیت رکھتی ہے تو وہ ہے شرح پیدائش، خواہ پیدا ہونے والا بچہ کسی امیر گھر سے ہو یا غریب۔ چنانچہ امیر گھر میں پیدا ہونے والے بچے کی زندگی کی ابتدا ایک محترم نام سے ہوتی ہے مثلا صاحب جی یا کوئی دوسرا عرفی نام جیسے یاور صاحب وغیرہ۔ واضح رہے کہ یہی وہ بنیادی چیزیں ہیں جو مستقبل میں زندگی کے امکانات طے کرتی ہیں۔ پس اگر یہ آئندہ زندگی پر اس قدر اثر انداز ہوتی ہیں تو اس میں رامونامی ایک کالے کلوٹے خانہ بدوش بچے کا کیا قصور؟ جس کے آباؤ اجداد نے فٹ پاتھوں پر اپنی زندگیاں بسر کیں اور چلچلاتی دھوپ کی ستم ظریفی نے اُنھیں کالا کلوٹا بنا دیا۔ راموبھی اپنے دیگر ہم عمروں کے مانند ڈاکٹر، انجینئر یا پھر گورا چٹا بزنس مین بن سکتا تھا اگر اُسے مالی مدد اور ماحولیاتی سپورٹ میسر آتا۔ اس مقام پر مجھے Adam smith کا فلسفہ "Careers are open to talents" بے بنیاد لگتا ہے۔ لیکن دریں اثناء میں سوچتا ہوں کہ Career اور Talent دونوں ہی سماج کے بُنے ہوئے تانے بانے ہیں۔ کیونکہ ہمارے سماج میں ایسے بے شمار رامو ہیں جو آج کسی مہذب آفیشیل یا بابو کی کرسی پر ہوتے اگر سماج اور خاص طور پر حکومت نے اُن کا خیال رکھا ہوتا، نیز کسی کی قابلیت ولیاقت اُس کی اپنی جاگیر نہیں ہوتی۔ چنانچہ یہ امکان اپنی جگہ مسلم ہے کہ ایک خوش نصیب شخص جس کا سماجی اور فکری طور پر اپنا مقام ہو، وہ بھی ان خانہ بدوش بچوں کی طرح بدنصیب اور بے یار ومددگار لائف اسٹائل سے دوچار ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ خود میرا ماننا ہے کہ اگر JNU نے مجھے یہ تعلیمی موقع فراہم نہ کیا ہوتا تو شاید میں جھیلم کی وادیوں میں مٹی کھودرہا ہوتا۔

☆☆☆

قوتِ ارادی نہیں تو کچھ بھی نہیں

صادق رضا مصباحی، ممبئی

ای میل: sadiqraza92@gmail.com

09619034199

انسان جب پیدا ہوتا ہے تو بے پناہ امکانات ساتھ لاتا ہے اور جب وہ ان امکانات کو عمل کے دھاگے سے باندھتا ہے تو ترقی کے راستے اس پر کھلتے چلے جاتے ہیں۔ ہر انسان پیدائش کے وقت یکساں قوت کا حامل ہوتا ہے لیکن اس کا گردوپیش اور اس کا ماحول اسے زمین سے اٹھا کر آسمان تک پہنچا دیتا ہے۔ اصل میں ہوتا یہ ہے کہ انسان کی کم فہمی، کم ہمتی، بزدلی، کاہلی، احساسِ کمتری جیسی منفی چیزیں ان امکانات کو تلاش کرنے میں مانع بن جاتی ہیں اسی لیے انسان کی ترقی کا سفر شروع نہیں ہو پاتا۔ اس کی زندگی ریت کے ذرات کی طرح ہاتھ سے سرکتی جاتی ہے، اعضا مضمحل ہونے لگتے ہیں اور وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ اس نے جہاں سے سفر شروع کیا تھا وہ اب بھی وہیں ہے حالاں کہ اس سفر کی تھکاوٹ نے اس کا بدن چور چور کر دیا ہوتا ہے۔ یہاں ایک بہت بڑا سوال یہ ہے کہ آخر وہ کون سا جوہر ہے اور انسان کے اندر پوشیدہ ہے، وہ کون سی صلاحیت ہے جو انسان کی کامیابی اور ناکامی کے درمیان حدِ فاصل ہے؟

اس کا صرف ایک ہی جواب ہے: ''قوتِ ارادی''۔ یہ انسان کے اندر پوشیدہ امکانات میں وہ واحد جوہر ہے جو تمام امکانات کی سردار ہے اور ساری ممکنہ قوتیں اسی کے اشارے پر کام کرتی ہیں۔ ظاہر ہے جب انسان کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ

وہ اس ارادے کو عمل میں ڈھالے۔ بلکہ وہ ارادہ کرتا ہی اس لیے ہے کہ وہ عمل کرے، کچھ نیا کرے، کوئی نئی تخلیق پیش کرے، اپنی زندگی سے بھرپور فائدہ اٹھائے اور اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں سے کام لے۔ اور جب انسان قوتِ ارادی پر قابو پالیتا ہے تو وہ کامیابیوں سے سرفراز ہوجاتا ہے اور شہرت، عظمت اور دولت کی سربلندیاں اس کے قدم چومنے کو بے تاب نظر آتی ہیں۔

دنیا میں کامیاب ترین لوگ بھی ہوئے ہیں اور ناکام ترین لوگ بھی۔ ان کے درمیان صرف ایک ہی بات کا فرق ہے یعنی ''قوت ارادی'' یہی ان دوطرح کے انسانوں کے فرقِ مراتب کا تعین کرتی ہے۔ صلاحیتیں ناکام ترین انسان کے پاس بھی ہوتی ہیں اور کامیاب ترین انسان کے پاس بھی، مگر کامیاب ترین انسان اپنی قوتِ ارادی پر قابو پاکر ان صلاحیتوں کو استعمال کرنا جانتا ہے، لیکن ناکام انسان اپنی قوت ارادی پر قابو نہیں پاتا، اس لیے وہ زندگی بھر ناکامیوں کے کھنڈر پر بیٹھ کر کامیابوں اور کامیابیوں کو رشک سے دیکھتا ہے۔ انسان اگر اپنی قوتِ ارادی کو تحریک دے تو پھر انسان اپنی ذات سے اوپر اٹھ کر شخصیت بن جاتا ہے، وہ مشہور بھی ہوجاتا ہے اور یہ شہرت کبھی کبھی اسے مقبولیت کے درجے پر بھی فائز کردیتی ہے، اور جیسے جیسے قوتِ ارادی کی سطح بڑھتی چلی جاتی ہے اس کی شخصیت کا مینار اور بلند ہوتا چلا جاتا ہے۔

یہ ہماری بڑی کم نصیبی ہے کہ ہم صرف شکوہ کرنا جانتے ہیں، آپ معاشرے کا سروے کریں، ہر تیسرا چوتھا انسان آپ کو شکوہ کرتا نظر آئے گا۔ اس کی آنکھوں کو دوسروں کی ترقیاں اور کامیابیاں تو خیرہ کرتی ہیں لیکن اپنے اندرون میں روشن صلاحیتیوں کے چراغ اسے نظر نہیں آتے، اس کی روشنی اس کے ذہن ودماغ تک نہیں پہنچتی۔ کیوں؟ اس لیے کہ ہم میں سے ہر تیسرا چوتھا شخص قوتِ ارادی سے کام لینا نہیں جانتا۔ ہمیں صرف اپنی ناکامیوں کا رونا نہیں رونا چاہیے بلکہ اپنے اندر پوشیدہ جوہر کو بروے کار لاکر کچھ کرنا چاہیے۔ عربی زبان کا ایک بڑا مشہور مقولہ ہے۔ ''مَنْ جَدَّ وَجَدَ'' یعنی جس نے کوشش کی اس نے پایا۔ اس کا مطلب دراصل یہی ہے کہ جس کی قوتِ ارادی مضبوط ہے اس کا مستقبل بھی مضبوط اور محفوظ ہے اور جس کی قوتِ ارادی مضبوط نہیں تو ایسے انسان کا مستقبل بھی تاریک اور غیر محفوظ ہوتا ہے اور خود اس کا وجود بھی۔ کچھ پتہ نہیں کہ حالات کا بہاؤ اسے کہاں سے کہاں پہنچادے۔ قوت ارادی سے خالی انسان صرف حالات کے دھارے میں بہتا رہتا ہے، کبھی خود سے کچھ نہیں کرپاتا۔

دنیاوی ترقی ہو کہ اخروی، قوتِ ارادی کو کام میں لائے بغیر ممکن ہی نہیں۔ یہ اتنی واضح اور صاف بات ہے کہ میرے خیال میں اسے مثالوں کے ذریعے سمجھانے کی ضرورت ہی نہیں۔ ڈاکٹر اقبال نے کہا ہے:

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتحِ عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

یہ ''یقین محکم'' کیا ہے؟ قوتِ ارادی ہی کا دوسرا نام ہے، یہ عزم کی صلابت ہے، یہ ارادے کی پختگی ہے۔ جب انسان یقینِ محکم کی مضبوط رسی سے بندھ جاتا ہے تبھی وہ ''پیہم عمل'' کے راستے تک آپاتا ہے اور اپنے گلے میں ''فاتحِ عالم'' کا تمغہ ڈالنے کا اہل قرار پاتا ہے اور جب تک ''یقین محکم'' نہ ہو تو انسان فتح وکامرانی تو کیا کسی بھی عمل کو صحیح ڈھنگ سے کرنے کے لائق بھی نہیں ہوپاتا۔ پتہ چلا کہ قوتِ ارادی کامیابی وکامرانی کی شاہِ کلید ہے۔ یہ کامیابی اور ترقی کے خزانے کی کنجی ہے۔ جب تک یہ کنجی نہ ہو انسان لاکھ ہاتھ پیر مارے، خزانہ کبھی ہاتھ لگنے والا نہیں۔

ہمارے بچے، بوڑھے اور جوان سبھی لوگ ترقی یافتہ اور کامیاب ترین لوگوں کے قصے بڑے شوق سے سنتے اور پڑھتے ہیں اور دوسروں کو سنانے کے شوقین ہوتے ہیں۔ ہمارے اسکولوں کے نصاب میں دو چار چیپٹرس کامیاب لوگوں یا کامیابی کے گر کے حوالے سے ہوتے ہی ہیں، مگر آخر کیا وجہ ہے کہ طلبہ میں عام طور پر اس کے اثرات رونما نہیں ہو پاتے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ قوتِ ارادی پڑھنے، پڑھانے اور سیکھنے سکھانے کی چیز نہیں۔ یہ کوئی فکری معاملہ نہیں ہے کہ تصور کر لیا اور بس، بلکہ قوتِ ارادی کا معاملہ خالص عملی ہے۔ جب تک انسان اسے اپنے عمل سے مربوط نہیں کرتا اس کی برکتوں سے محروم ہی رہتا ہے۔ یہاں ایک سوال یہ ہے کہ آخر قوت ارادی کو کیسے بروے کار لایا جائے؟ اور کیسے اس کے ذریعے کامیابی کے راستے کی تلاش کیے جائیں؟

انسان کے اندر بری عادتیں بھی ہوتی ہیں اور اچھی بھی۔ بری عادتیں ہمارے اچھے کاموں اور محنت ومشقت کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ انسان چوں کہ ان عادات کا عادی ہو چکا ہوتا ہے اس لیے وہ اسے چھوڑنے پر ہرگز تیار نہیں ہوتا بلکہ انہیں چھوڑنے کا تصور ہی اسے ذہنی اذیت کا شکار بنا دیتا ہے۔ حالاں کہ انسان اگر اپنی مضبوط قوت ارادی کے بل پر کھڑا ہو جائے اور پختہ ارادہ کر لے کہ آج سے کسی بھی صورت میں میں فلاں کام نہیں کروں گا تو دو چار روز تک یہ عادتیں اس کو اذیت دیں گی لیکن انسان اس کے بعد نارمل ہو جائے گا اور پھر وہ سکون محسوس کرے گا۔ انسان جب اپنی قوت ارادی پر قابو پا لے گا تو وہ نفسیاتی طور پر خود کو بہت بڑا فاتح تصور کرے گا، اس کے اندر خود اعتمادی جاگے گی اور وہ غیر ممکنہ کاموں کو بھی ممکن کے درجے میں لا کھڑا کرے گا۔

انسانی تاریخ میں ہمارے آقا ومولیٰ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک قوت ارادی کی مضبوط ترین اور عظیم ترین مثال ہے۔ تاریخ نے ان جیسی قوت ارادی کا حامل انسان کبھی نہ دیکھا ہوگا۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ جانے کتنی مصیبتیں آئیں، انہیں ظلم وتشدد کا نشانہ بنایا گیا مگر وہ جس مقصد کے لیے مبعوث ہوئے تھے، اس سے ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے، بلکہ ہمیشہ آگے ہی بڑھتے گئے۔ آپ سیرت نبوی کے واقعات کا مطالعہ کیجیے، آپ کو جگہ جگہ قوت ارادی کے مظاہر نظر آئیں گے۔ ذرا تصور کیجیے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوت ارادی سے کام نہ لیتے تو کیا اسلام دنیا میں اپنی فتح ونصرت کے علم بلند کر پاتا؟

پتہ چلا کہ کامیابی، قوت ارادی کا ماخذ اور حاصل ہے۔ ہمارا ارادہ جتنا ہی مضبوط ہوگا ترقی اتنی ہی جلدی ہمارے پاس آئے گی اور ہم اپنے مقصد کو پالیں گے۔ یاد رکھیے قوت ارادی اپنی ذات کو فتح کرنے کا نام ہے، زندگی کو زندگی سے بھرپور بنانے کا نام ہے۔ اگر قوت ارادی نہیں تو یقین کر لیجیے کچھ بھی نہیں۔

آیئے ہم سب لوگ اپنی اپنی قوت ارادی کو مضبوط کریں، ترقی کا خواب بُنیں اور دنیا کو فتح کر دکھائیں، کیوں کہ قوت ارادی رازِ حیات ہے، سرمایۂ حیات ہے، خلاصۂ حیات ہے، قرینۂ حیات ہے، سلیقۂ حیات ہے، عنوانِ حیات ہے بلکہ قوت ارادی ہی اصل حیات ہے، یہی سراغِ حیات ہے۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

●●

نسل نو میں منشیات اور بے راہ روی، اسباب اور تدارک

جاوید احمد عنبر مصباحی

نسل نو میں بے راہ روی، بداخلاقی، سگریٹ نوشی اور شراب نوشی کا رجحان تشویشناک حد تک بڑھتا جا رہا ہے۔ آفتاب و ماہتاب کی ہر گردش کے ساتھ ان برائیوں کا اژدہا فربہ ہوتا جا رہا ہے۔ حکومت، طب، سماجی خدمت، صحافت اور تعلیم سے وابستہ لاکھوں افراد اس کے مضر اثرات بیان کرنے، لوگوں کو اس سے پرہیز کرنے اور اس کی لت چھوڑنے کی ترغیبات بتانے پر سالانہ کروڑوں ڈالر خرچ کر رہے ہیں۔ جگہ جگہ ورکشاپ، سیمینار، جلوس اور جلسوں کی شکل میں ان مفاسد کی روک تھام کے لیے اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ ہمارے مفکرین، دانشور، ٹیچرز، ڈاکٹرز اور جرنلسٹ حضرات اپنے تئیں آن دی ریکارڈ اور آف دی ریکارڈ، عام جلسوں اور نجی محفلوں میں، اخبارات اور پوسٹرز کے ذریعے ایسی کوششیں اور جد و جہد کرتے ہیں، مگر اتنی محنت کے باوجود نتیجہ صفر ہی ہے۔ اگر نتیجہ صفر ہی ہوتا تو بھی ہم اسے اپنی کامیابی تصور کر لیتے کہ کم از کم ہم نے مزید بنی آدم کو اس قعر عمیق میں گرنے سے بچا لیا، لیکن ہماری کوششوں کا حال یہ ہے کہ: ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

تجاویز پیش کی جاتی ہیں مگر نتیجہ خیز نہیں ہوتیں۔ اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ ہم ابھی تک ان مفاسد کی بنیادوں کو نہیں اکھاڑ پھینک سکے۔ ہم نے کافی غور و خوض کیا تو مندرجہ ذیل امور بنیادی اسباب کے طور پر سامنے آئے:

(۱) دولت کی فراوانی:

دنیا میں زر کی افزودگی تیز ہوتی ہو جا رہی ہے۔ آپ اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہم اور ہمارا معاشرہ آج سے قبل اتنی فراخی و خوشحالی میں نہیں تھا۔ ایک صدی یا دو صدی کا تجزیہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے صرف گذشتہ پچیس تیس سالوں پہ ایک تجزیاتی نگاہ ڈالیں تو حقیقت خود ہی واشگاف ہو جائے گی۔ پیسے کی فراوانی کے سبب نئی نسل ایک مہلک اور خار زار راستے کی طرف جا رہی ہے۔ والدین اپنی کمائی ہوئی دولت کا ایک بڑا حصہ اپنی اولاد پہ خرچ کرتے ہیں۔ کبھی بذات خود ماں باپ خرچ کرتے ہیں، کبھی اولاد اس پیسے کو اپنے ہاتھوں سے خرچ کرتی ہے۔ جو پیسے بچے خود خرچ کرتے ہیں وہی انہیں بے راہ روی کا شکار بناتے ہیں۔ وہ ان سے حسبِ منشا جو چاہتے ہیں اور جہاں چاہتے ہیں خرچ کرتے ہیں۔ کم شعوری اور برے دوستوں کی صحبت انہیں ایک غیر صالح ڈگر پہ ڈال دیتی ہے۔

(۲) غیر اسلامی تعلیم:

دوسری وجہ غیر اسلامی تعلیم ہے۔ والدین اپنے بچوں کو دنیاوی تعلیم سے آراستہ تو کر رہے ہیں مگر وہ تعلیمات نبوی ﷺ پر کما حقہ توجہ نہیں دیتے۔ انہیں کسی بھی عام مقام پہ قرآن سیکھنے کے لیے بھیج دیتے ہیں اور یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ ہم نے اپنا فریضہ پورا کر دیا، جب کہ بہت سے افراد تو اس کی بھی زحمت نہیں کرتے۔ ہمارے بچے اسلام اور اسلامی تعلیمات کی روح سے غافل اور نا آشنا ہو چکے ہیں۔ بہت سے نوجوان مذہب بیزار ہو چکے ہیں۔ کسی بھی کام میں وہ اسلام کی اجازت و ممانعت کی طرف نظر نہیں کرتے ہیں۔ وہ صرف اپنے فائدے اور اہل دنیا کے بنائے

ہوئے قواعد وضوابط کو معیار و پیمانہ بنا کر فیصلہ لیتے ہیں۔ اور جو دل نور ایمان سے خالی ہو وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔

(۳) مغربی کلچر کا فروغ:

مغربی تہذیب وتمدن کے ارتقاو عروج نے بھی نسل نَو کو بہت حد تک متاثر کیا ہے۔ آج کی نسل جس Culture سے شدید متاثر اور ذہنی طور پہ مرعوب ہے اس میں نشہ خوری، خود غرضی، لا اُبالی پن اور خود پسندی کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ آج کی یورپی تہذیب و ثقافت کو ہماری نسل نَو نے اپنا اوڑھنا بچھونا بنا رکھا ہے۔ ہماری سوچ وفکر مغربی ممالک کے انداز فکر کی مقلد محض بن کر رہ گئی ہے۔ نئی نسل نے جن لوگوں کو اپنا آئیڈیل بنا رکھا ہے وہ اپنی انگلیوں میں سگریٹ رکھنا ایک شوق اور جدید فیشن سمجھتے ہیں۔ وہ کھانے کی میز پہ پانی کی بجائے شراب کو زینت اور زیادہ بہتر مشروب تصور کرتے ہیں۔ والدین اور دوسرے اعزہ واقربا کی پند ونصیحت کو نظر انداز کرنا ان کی شناخت بن چکی ہے۔ اور آئیڈیل کے اخلاق و کردار، فکر و مزاج، اطوار و آداب اور ان کے رہن سہن کا اثر ان کے شیدائیوں پر ضرور پڑتا ہے۔

(۴) میڈیا کا غیر ذمہ دارانہ اور غیر دانشمندانہ کردار:

الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے منفی کردار اور ان کی غیر ذمہ دارانہ حرکتوں نے بھی New Genration میں نشہ خوری اور بے راہ روی کے جراثیم پیدا کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ میڈیا کے میدان میں حد درجہ مقابلہ آرائی نے معاشرے کے امن اور مشرقی تہذیب کی بہاروں کا جنازہ نکالنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ منفی اور لایعنی خبروں کی رپورٹنگ اور نامناسب کہانیوں کی براڈ کاسٹنگ نے مشرقی تہذیب و ثقافت پر کاری ضرب لگائی ہے۔ ان غیر ذمہ دار اخبارات اور ٹی وی وریڈیو چینلز نے مشرقی اور اسلامی اطوار وطریقے کو پسماندگی اور غربت کا سبب بنا کر پیش کیا۔ رہن سہن، طرز زندگی اور آداب خورد ونوش میں وہ پورے طور پر مغربی نظریات کو قابل تقلید بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ہم اس طرح کی مسابقت اور ترقی کو ہرگز قابل تعریف نہیں قرار دے سکتے جن سے معاشرہ تباہی کا شکار ہو جائے۔

(۵) ذہنی تفکرات:

آج کا دور گذشتہ تمام ادوار سے زیادہ تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ ہے مگر اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ آج کا انسان بالخصوص نوجوان نسل ڈپریشن کا شکار رہتی ہے۔ اس کی وجوہات بھی مختلف ہیں۔ کبھی والدین کا تنازع، تو کہیں ان کی ناراضگی وحد سے زیادہ امیدیں، کہیں غربت کا احساس، تو کہیں مستقبل کی دھندلی سی تصویر، تو کہیں معاشرے کی عدم رواداری اور غیر حساسیت۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں ذہنی تفکرات کا سبب ہو سکتی ہیں۔ الحاصل! ہماری نسل نو کو تباہ و برباد کرنے میں کچھ نہ کچھ حصہ ذہنی تناؤ کا بھی ہے۔

(۶) بزرگوں کا عدم احترام:

ہمارے بچوں میں سب سے بڑی کمی یہ ہے کہ وہ بڑوں کے مقام و مرتبے اور ان کی تعظیم وتکریم کے حوالے سے حد درجہ بے پرواہ ہیں۔ اپنے سے بزرگوں اور بڑوں کی تعظیم کی ساری تعلیمات انہوں نے یکسر بھلا کر رکھ دی ہے۔ ہمارے بچوں نے صرف ایک قاعدہ یاد رکھا ہے کہ جس سے کسی طرح کا مالی فائدہ حاصل نہ ہو اس کی تعظیم کی حاجت بھی نہیں۔ ہماری سوچ اس قدر ناشائستہ، اور غیر اسلامی ہوگئی ہے کہ ہم نے اپنے بچوں کو بڑوں کا احترام کرنے کی تعلیم دینی چھوڑ دی ہے۔ بلکہ بہت سے والدین اپنے بچوں کو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ انہیں محلّہ والوں سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ کسی کے احسان تلے دبے نہیں ہیں جو کسی کی ڈانٹ سن لیں۔ اگر ایک شخص کی کسی سے دشمنی ہو جاتی ہے، تو وہ اس کے متعلق اپنے بچوں کو تعلیم دیتا ہے کہ وہ اس سے قطعا خوف نہ کھائیں۔ ان کا ادب واحترام کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ

کچھ لوگ تو اپنی اولاد کو یہ تربیت دیتے ہیں کہ وہ ان کے مخالفین کو دیکھ کر ایسی حرکتیں کریں جن سے ان کی توہین ہو۔نئی نسل کو اس طرح کے خیالات منتقل کرنے میں کہیں نہ کہیں مغرب نوازی کا بھی دخل ہے۔ہم ایسے افکار وخیالات اور ایسی تعلیم وتربیت کو ہرگز حوصلہ افزائی کے قابل نہیں سمجھتے۔

ہماری نسل نو پہ مغربی تہذیب بھاری ہے
بڑوں کی بات کو اک چھوٹا بچہ کاٹ دیتا ہے

(۷)صالح معاشرہ کا فقدان:

ہمارے معاشرے کے امن وسکون کی مضبوط اور آہنی زنجیریں ٹوٹ چکی ہیں۔ذمہ داران سماج کے دلوں میں موجود قوم کی صلاح وفلاح کے جذبۂ خیر کا گلاب پژمردہ ہو چکا ہے۔ہم اور ہماری سوچ وفکر نقطۂ انجماد پہ پہنچتی جارہی ہے۔قوم وملک کے متعلق ہماری مثبت سوچ کا آبگینہ ٹوٹ چکا ہے۔ہم قوم کے مستقبل (نونہالوں) کو غیر ذمہ دارانہ اور باعث ہلاکت حرکات و سکنات میں ملوث دیکھ کر بھی اپنی زبان کو جنبش کرنے کی زحمت نہیں دیتے۔ہم یہی سوچتے ہیں کہ اگر فلاں شخص کا لڑکا بدمعاش، آوارہ، بدچلن بن جائے، برباد ہو جائے یا آباد ہو جائے، ہمیں اس سے کیا مطلب؟ اس کی اچھائی یا برائی سے ہمیں کسی طرح کا فائدہ یا نقصان پہنچنے والا نہیں ہے۔ہمارے اپنے بچے درست ہیں اور بس!۔دوسرے کی اولاد کی بھلائی و بربادی کے بارے میں سوچنے کے لیے ہمارے دل ودماغ کے دریچے بند ہو چکے ہیں۔یہ فکر ہماری قوم وملت کے لیے مفید نہیں ہو سکتی۔

(۸)والدین اور سرپرستوں کی کم توجہی:

بہت سے بچوں اور نوجوانوں کی غلط روش کا سبب والدین اور سرپرستوں کی بے توجہی بھی ہوتی ہے۔بہت سے والدین اور سرپرست اپنے بچوں کی صحیح تربیت کا فریضہ کما حقہ ادا نہیں کر پاتے۔اس کے اسباب خواہ کچھ بھی ہوں مگر نتیجہ تو برا ہی ہوتا ہے۔صحیح نگرانی اور مناسب تربیت کے فقدان کے سبب بچے غیر مناسب ڈگر پر چلنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ان کی بروقت تنبیہ نہ ہونے کے سبب ان کی بری عادت اتنی پختہ ہو جاتی ہے کہ انہیں دوبارہ راہ راست پر لانا کافی دشوار ہو جاتا ہے۔اور جب وہ بچے بڑے ہو کر والدین سے بدسلوکی کرتے ہیں تو اب والدین شکوہ کرتے ہیں۔لوگوں کے سامنے اپنے غموں اور دکھوں کا رونا روتے ہیں۔جب سب کچھ کرنے کا موقع ہوتا ہے اس وقت وہ اپنی ذمہ داریوں سے آنکھیں چُراتے ہیں اور جب ان پہ مصیبت پڑتی ہے تو ''وائے حسرتاہ! کہنے کے سوا کوئی چارہ نہیں رہ جاتا۔

سدباب:

نئی نسل میں منشیات اور بے راہ روی کی روک تھام کے لیے ضروری ہے کہ ہم ایسے اقدامات کریں جن سے ان اسباب کی جڑیں کٹ جائیں جن سے ہمارے معاشرے میں زہر پھیل رہا ہے۔ہم اس بات کے مخالف نہیں ہیں کہ والدین اپنے بچوں کو پیسے کیوں دیتے ہیں۔اللہ رب العزت نے آپ کو دولت سے نوازا ہے، اپنی اولاد پر ضرور خرچ کیجیے، مگر ساتھ ہی ان کی نگرانی بھی کیجیے کہ وہ ان روپیوں کو کہاں؟ کب؟ اور کیسے خرچ کرتے ہیں؟ وہ کن لوگوں کی صحبت میں اٹھتے اور بیٹھتے ہیں؟ ان کے دوستوں کے اخلاق وکردار کیسے ہیں؟ اور ان کا سماجی اور خاندانی پس منظر کیسا ہے؟ کبھی کبھی بچوں کے دوستوں کی دعوت کر کے ان سے مشفقانہ اور دوستانہ ماحول میں بات کی جائے اور ان کے افکار ونظریات جاننے کی بھرپور کوشش کی جائے۔

اپنے بچوں کو اسلامی تعلیمات اور فرمودات نبوی ﷺ کے رنگ میں رنگ کر ان پر ''صِبْغَةُ اللّٰهِ'' کا روغن چڑھائیں۔انہیں اسلامی تاریخ اور اسلام کی عظیم سیاسی و مذہبی شخصیتوں کی سیرتوں سے آشنا کرائیں۔بچپن ہی سے ان کے دلوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے تذکرے اور نقوش جاگزیں کیے جائیں۔ان کے

سویدائے قلب میں مذہب کی اہمیت کو بٹھایا جائے۔ان کے لیے روزانہ کم از کم ڈیڑھ دو گھنٹے مذہبی اور اسلامی تعلیم کے لیے خاص کیے جائیں۔گھر میں اسلامی ماحول بنایا جائے اور ان سے کسی بھی طرح کی غلطی سرزد ہونے پہ محبت ونرمی کے ساتھ انہیں سمجھایا جائے۔ان پہ حد سے زیادہ امیدوں کا بار نہ ڈالیں۔ان کی عمر، ذہانت اور قابلیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ان سے امیدیں وابستہ کریں۔

والدین بچوں کے سامنے ہی اپنے اختلافات کا تصفیہ کرنے نہ بیٹھ جائیں۔اپنے اختلافات اور تنازع بند کمرے اور تنہائی میں حل کریں تو زیادہ بہتر ہے۔اور اگر اختلافات کی خلیج اس قدر وسیع ہوچکی ہو کہ صرف آپس میں دو طرفہ مذاکرات کے ذریعے اسے نہیں پاٹا جا سکتا تو پھر ایسے افراد کو مصالحت کاری کے لیے بلائیں جو دونوں کے خیر خواہ ہوں مگر اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھیں کہ اس وقت بچوں کی موجودگی کسی بھی صورت میں نہیں ہونی چاہئے۔بلکہ ایسے اوقات میں یہ مجلس منعقد کی جائے جب بچے اسکول،کھیل کے میدان یا رشتہ داروں کے گھر گئے ہوں،اور خدارا کسی بھی وقت جذبات سے مغلوب ہوکر جدائی کا فیصلہ از خود نہ کریں کیوں کہ اس سے مندرجہ ذیل نقصانات سامنے آئیں گے:

الف:۔آپ کے بچے صحیح تعلیم وتربیت سے محروم ہوجائیں گے اور ان کے بگڑنے کا امکان بہت زیادہ بڑھ جائے گا۔کیوں کہ ٹوٹے ہوئے آشیانوں میں رہنے والوں کا انجام یہی ہوتا ہے۔

ب:۔خود میاں بیوی کا مستقبل بھی تاریک ہوسکتا ہے کیوں کہ اس بات کی کوئی ضمانت موجود نہیں ہے کہ آنے والا ہم سفر پہلے سے بہتر ہوگا۔مزید برآں دونوں کے مشترکہ بچے ان کے درمیان پُل کا کام کرتے ہیں جو نئے شریک حیات کی رفاقت میں مشکل سے حاصل ہو سکے گا۔

نبی کریم ﷺ اور ان کے جاں نثار رفقا کو اپنے آئیڈیل کے طور اپنے بچوں کے سامنے پیش کریں اور بچوں کو بھی یہی ترغیب دیں۔مذہبی تقریبوں میں انہیں ساتھ لے جائیں۔

ہمارے معاشرے سے امن وسکون کی خوشبو کافور ہوچکی ہے۔ہم اس بات کی کوشش کریں کہ اپنے عمل کے ذریعے سماج کی بدلتی ہوئی صحرائی صورت کو پھر سے لالہ زار بنادیں۔دوستی،دشمنی اور اختلافات تو زندگی کے جز ہیں۔ایک ساتھ رہنے میں اس طرح کی باتیں ہوتی رہتی ہیں مگر انہیں صرف اپنی ذات تک محدود رکھیں۔خدا را! اپنی اولاد کو اس طرح کے تنازع میں ہرگز نہ گھسیٹیں۔آپ کے اپنے بچے بھی ملت اسلامیہ اور قوم کی مشترکہ امانت ودولت ہیں،جن کی حفاظت وصحیح تربیت پوری قوم کی ذمہ داری ہے۔پڑوسی خواہ کتنا ہی بڑا دشمن کیوں نہ ہو پھر بھی اپنے بچوں کو ان سے ادب واحترام کے ساتھ پیش آنے کی تعلیم دیں۔اسی طرح معاشرے کے ذمہ داران حضرات دوست اور دشمن تمام لوگوں کے بچوں کو اپنی قوم کا مشترکہ اثاثہ سمجھ کر ان کی رہبری کا فریضہ انجام دیں۔غلط روش پہ انہیں تنبیہ کریں اور اگر پھر بھی باز نہ آئیں تو ان کے والدین یا سرپرست کو ان کی اطلاع دیں۔سرپرست اگر ان کی شکایت درست پائیں تو بچوں کی تنبیہ کردیں اور اگر اطلاع غلط یا بوجہ عداوت ہو تو بھی ان کو نہ جھڑکیں بلکہ بات دل میں ہی دبا کر رکھ لیں۔کیوں کہ جب بچوں کو یہ خوف ہوگا کہ ان کے افعال وکردار پہ ہمہ وقت بالواسطہ یا بلاواسطہ ان کے والدین اور سرپرست کی نگاہ ہوتی ہے تو پھر ان کی بے راہ روی کے امکانات تقریباً 80 رفیصد ایسے ہی کم ہوجائیں گے۔

خوشبو کی طرح خود تو بکھر جایئے مگر
صحرا میں،بستیوں میں مہک چھوڑ جایئے

دشت وگلزار ہر اک تم سے مہک اٹھے گا
بوئے گل بن کر فضاؤں میں بکھرنا سیکھو

☆☆☆

ambermisbahi@gmail.com

اچھے نام رکھیں، اور اچھے نام سے پکاریں

(حافظ) محمد ہاشم قادری صدیقی مصباحی

حضرت زکریا علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی: ''اے اللہ! ہمیں ایک جانشین عطا فرما جو میرا اور یعقوب کے خاندان کا وارث ہو اور اے میرے رب تو اسے مقبول بندہ بنالے''۔ تو اللہ تعالیٰ نے خوشخبری سنائی: یٰزَکَرِیَّا اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُہٗ یَحْیٰی لَمْ نَجْعَلْ لَّہٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا۔ اے زکریا! ہم تجھے ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں جس کا نام یحییٰ ہے، ہم نے اس سے پہلے اس کا ہم نام کسی کو نہیں کیا (سورہ مریم آیت ۷۔۵) اللہ تعالیٰ نے نہ صرف دعا قبول فرمائی اور ایک بیٹا دیا بلکہ اس کا نام بھی تجویز فرمادیا۔ اس سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی دو فضیلتیں ظاہر ہوئیں:

☆ اللہ تعالیٰ نے ان کا نام خود رکھا والدین کے سپرد نہ کیا۔

☆ یہ نام کسی اور کو نہ ملا۔

ہمارے بچوں کا نام ان کے ماں باپ رکھتے ہیں وہ بھی پیدائش کے ساتویں دن بعد مگر ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کا نام پاک خود رب تعالیٰ نے رکھا، وہ بھی ولادت سے پہلے۔ چنانچہ رب تعالیٰ کے رکھے ہوئے نام کا اثر ان کی شخصیت پر خوب ظاہر ہوا۔ رب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد رکھا یعنی ''بہت سراہا ہوا، تعریف کیا ہوا''، آج بھی اس نام کی بہار دیکھی جارہی ہے کہ ہر جگہ ہر وقت ہر زبان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریفیں ہو رہی ہیں۔ اسی طرح رب تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کا نام رکھا یعنی زندگی بخشنے والے، یا زندہ جاوید رہنے والے۔ یہ نام ان پر بہت سجا، اب تک وہ زندہ ہیں اور تا قیامت ان کا نام و مقام زندہ رہے گا۔

اچھے نام رکھنے اور برے ناموں سے بچنے کی فضیلت

اللہ پاک جو اپنے نام سے ہی یکتا اور بے مثل ہے جس نے انسان کو کائنات کے حسن و خوبصورتی کا سب سے اعلیٰ نمونہ بنا کر پیدا فرمایا اور اسے پہلا خوبصورت نام 'آدم' سے نوازا۔ اللہ پاک نے انسان کو بہترین ساخت عطا فرمائی۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْم ''۔ لہٰذا اس حسن تخلیق کا تقاضا ہے کہ جب کوئی انسان پیدا ہوا تو اس کا نام بھی اچھا رکھا جائے۔

یہ والدین کی ذمہ داری ہے کہ جس طرح اپنے بچوں کی نگہداشت اور پرورش پر توجہ دیتے ہیں یوہیں بچوں کے نام بھی اچھے رکھیں۔ اچھے نام اچھی علامت کا مظہر ہوتے ہیں اور اچھے نام اللہ عزوجل کو پسندیدہ ہیں۔ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھے نام رکھنے اور بُرے ناموں سے گریز کرنے کی بار بار تلقین فرمائی ہے۔ یہ بات اسلامی تعلیمات کا حصہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ کو دو نام بہت پسند ہیں اور وہ دو نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں۔ اس لیے یہ بات ہمیشہ پیش نظر رکھیں کہ نام خوبصورت با معنی اور ہر لحاظ سے جامع ہو۔ نام پکارتے وقت اس بات کا بھی لحاظ کیا جائے کہ پورا نام پکارا جائے۔ اس لیے کہ نام ہی ایک دوسرے کی پہچان ہے۔ اور انسان کی پوری زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پہلے ناموں ہی کی تعلیم دی جیسا کہ ارشاد ہے کہ آدم کو ہر چیز کے نام سکھادیے (سورۃ بقرہ آیت نمبر 33-30)

اچھے ناموں کے اثرات

نام کام کا کفیل ہوتا ہے۔ اچھے نام کا اچھا اثر اور برا نام تو ویسا ہی اثر۔ لیکن آج کل عام مزاج بنتا جا رہا ہے کہ بچوں کے ناموں میں جدت ہو، ایسا نام رکھا جائے جو کسی اور کا نہ ہو، خواہ اس کا مفہوم و معنی کچھ بھی نکلتا ہو۔ حالانکہ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "سموا باسماء الأ نبیاء "(ابوداؤد) انبیا علیہم السلام کے ناموں پر اپنے بچوں کے نام رکھو، اسی لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری صاحبزادے کا نام ابراہیم رکھا تھا جو حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا کے بطن مبارک سے پیدا ہوئے تھے۔ ایک حدیث پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے" تدعون یوم القیٰمة باسماء کم و اسماء آباء کم فأحسنوا أسماء کم" (مسند احمد) قیامت کے دن تمہیں اپنے آبا کے نام سے پکارا جائے گا، لہٰذا تم اچھے نام رکھا کرو۔ اللہ کے رسول محسنِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی پیدائش کے بعد آپ کے کان میں اذان دی، منھ میں لعابِ دہن ڈالا اور آپ کے لیے دعا فرمائی۔ پھر ساتویں دن آپ کا نام حسین رکھا اور عقیقہ کیا۔ حدیث پاک میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کا نام شبّر اور شبیر رکھا اور میں نے اپنے بیٹوں کا نام انہیں کے نام پر حسن اور حسین رکھا (صواعق محرقہ، صفحہ 118) سریانی زبان میں شبّر اور شبیر اور عربی زبان میں حسن اور حسین دونوں کے معنی ایک ہیں۔ ابن الاعرابی مغفل سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں نام مخفی (پوشیدہ) رکھے یہاں تک کہ نبی اکرم ﷺ نے اپنے نواسوں کا نام حسن اور حسین رکھا۔ (اشرف المؤید صفحہ 70)

ایسے نام جن سے عبدیت کا اظہار ہو حدیث میں اچھا قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ عبداللہ اور عبدالرحمن اللہ کے نزدیک و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ نام ہیں، (مسلم شریف)

والدین پر اولاد کے جو حقوق ہیں ان میں اچھا نام رکھنا بھی ہے۔ جب بچہ پیدا ہو فوراً داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی جائے کہ ظلِ شیطان واُم الصبیان سے بچے گا۔

ہر بچہ کا نام رکھے۔ حدیث پاک میں ہے کہ کچے بچے (جو کم دنوں میں گر جائے) اس کا بھی نام رکھے، نام نہ رکھنے پر وہ بچہ اللہ عزوجل کے یہاں شکایت کرے گا۔ بُرا نام نہ رکھے کہ فالِ بد ہے۔ عبداللہ، عبدالرحمن، احمد وغیرہ نام رکھے۔ انبیائے کرام یا اپنے بزرگوں میں جو نیک گذرے ہوں ان کے نام پر نام رکھے کہ باعث برکت ہے۔ خصوصاً وہ نام جو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک نام ہیں۔ اس مبارک نام کی بے پایاں برکت بچہ کو دنیا و اخرت میں کام آئے گی۔

بُرے ناموں کو اچھے ناموں سے بدلنا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اچھے نام رکھنے کا اہتمام فرماتے تھے۔ بلکہ نام کا معنی اچھا نہ ہو یا اس میں شبہہ ہو تو اسے بدل دیا کرتے تھے۔ حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام "برۃ" تھا جس کے معنی "نیکوکار" ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام اس لیے تبدیل فرما دیا کہ اس میں اپنی تعریف کا پہلو نکلتا ہے۔ اس کی وجہ سے نفس کہیں دھوکہ نہ دے دے، لہٰذا آپ کا نام زینب رکھا۔ اسی طرح ایک صحابی کا نام "حزن" تھا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام اس لیے بدل دیا کہ اس کے معنی سخت زمین کے ہوتے ہیں، "سہیل" نام رکھ دیا۔ جس کے معنی 'نرم' کے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اچھے نام سن کر خوش ہوتے تھے اور اس کے اثرات کے متمنی ہوتے تھے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر معاملہ الجھا ہوا تھا، قریش کی جانب سے ثالثی کے لیے سہیل آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ

کون ہیں۔ بتایا گیا کہ سہیل ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل نے ہمارے معاملہ کو آسان کر دیا۔ پھر انہیں کے ذریعہ صلح حدیبیہ کا تاریخ ساز معاہدہ وجود میں آیا جس کو رب تعالیٰ نے ''فتح مبین'' سے تعبیر کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام تبدیل فرمائے، تاکہ نئے نام اور اسلام قبول کرنے کی برکت ان کے کردار میں شامل ہو جائے اور وہ سرتاپا اسلامی رنگ میں ڈھل جائیں۔

سیرت کی کتابوں میں بہت سے واقعات موجود ہیں، چند ملاحظہ فرمائیں:

ایک صحابی رضی اللہ عنہٗ کا نام اسود تھا، (جس کے معنی کالا، تاریک ہے) اسے بدل کر ابیض (سفید) رکھ دیا۔ اسی طرح ایک صحابی کا نام الجبار تھا، اسے بدل کر عبدالجبار (جبار کا بندہ) رکھ دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کا نام عبدالکعبہ (کعبہ کا بندہ) تھا، اسے تبدیل کر کے عبداللہ (اللہ کا بندہ) رکھ دیا۔ مشہور صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا نام عبدالشمس سے بدل کر عبدالرحمٰن رکھ دیا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصی، عتلہ، حکم، غراب، حباب جیسے نام تبدیل فرمائے اور اصرم کو زرعہ، عاصیہ کو جمیلہ اور برہ کو زینب سے بدل دیا۔ (سنن ابوداؤد) حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ کی ایک بیٹی کا نام عاصیہ تھا جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر جمیلہ رکھ دیا (از عبداللہ بن عمر عن مسلم شریف)

یہ بات ذہن نشیں رہے کہ صحیح اور درست نام نہ رکھنے سے بچے کی شخصیت پر اچھا اثر نہیں پڑتا۔ اس لیے نام ایسا رکھنا چاہیے کہ جب بچہ بڑا ہو تو اسے اپنے نام پر فخر محسوس ہو اور فخر اسی وقت محسوس ہوگا جب اس کا اچھا اسلامی نام رکھا جائے گا۔ اس ضمن میں ارشاد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے: ''جس شخص کے تین بیٹے ہوں اور وہ ان میں سے کسی کا نام محمد نہ رکھے تو وہ بالیقین ایمان (عشق) کے تقاضے سے جاہل ہے''۔ (طبرانی شریف)

اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن بدترین ناموں سے اس شخص کا نام ہوگا جس کو شہنشاہ کہتے ہونگے۔ اللہ کے نزدیک بہترین نام عبداللہ اور عبدالرحمٰن اور زیادہ اچھے نام حارث اور ہمام احمد، محمد۔ جب کہ بدترین نام حرب اور مرہ ہوں گے۔ (ابوداؤد شریف)

حضرت شریح بن حانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے والد اپنی قوم کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان سے ان کا نام دریافت کیا۔ انھوں نے جواب میں عرض کیا کہ میرا نام ابوالحکم ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حکم خدا کے قبضہ واختیار میں ہے۔ تم نے ابوالحکم کنیت کیوں مقرر کی ہے'' انھوں نے کہا: میری قوم میں جب بھی کسی معاملہ میں اختلاف ہوتا ہے تو فریقین میرے پاس فیصلے کے لیے آتے ہیں اور میں ان کے درمیان ایسا فیصلہ کر دیتا ہوں کہ وہ تمام راضی ہو جاتے ہیں اور میرے حکم کو تسلیم کر لیتے ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لوگوں کے درمیان فیصلہ اور حکم کرنا بہت اچھی بات ہے، تمہارے کتنے بچے ہیں؟'' انھوں نے کہا: تین بیٹے، شریح، مسلم اور عبداللہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بس آج سے تمہاری کنیت ابوشریح ہے (عن ابن شریح ابن حانی از نسائی)

اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نام کی معنویت زندگی پر اثر انداز ہوتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک صحابی تشریف لائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام پوچھا، تو بتایا گیا ''حزن'' یعنی پتھریلی زمین۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نام ناپسند فرمایا اور کہا کہ اپنا نام ''سہل'' یعنی 'نرم زمین' رکھ لو۔ مگر انھوں نے نام تبدیل نہ کیا اور کہا کہ یہ میرے باپ نے رکھا تھا۔ ان صحابی کے

بقول ان کے خاندان میں سختی برابر قائم رہی۔ (بخاری شریف) یہ نام کا اثر تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ جسے یثرب کہتے تھے اس کے معنی میں جبر و زیادتی اور الزام کا مفہوم پایا جاتا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام طابہ اور طیبہ رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کی کہ یثرب کو طیبہ (خوشگوار عمدہ) کہا جائے۔ مدینہ کے معنی شہر کے آتے ہیں۔ چونکہ یہ مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس لیے اس کا نام ہی مدینہ پڑ گیا۔ اب اگر بغیر کسی اضافت کے مدینہ کہا جائے تو اس سے مراد مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم طیبہ ہی ہوگا۔ مدینہ میں بخار کی وبا عام تھی، بڑی شدت کا بخار ہوتا تھا۔ اکثر آنے والے اس میں مبتلا ہو جاتے تھے، نو وارد اس کی زد میں آتے تو وہ جلد ہی وہاں سے رخصت ہونا چاہتے تھے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی مشقتیں (تکلیفیں) جھیلنے پر جنت کی بشارت سنائی، اور اس کا نام طیبہ رکھ دیا، تو نام بدلنے کی برکت سے مدینہ منورہ کی فضا اللہ کے فضل و کرم سے خوشگوار ہوگئی، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ کالی کلوٹی عورت مدینہ منورہ سے نکل کر جحفہ جہاں یہودیوں کی آبادی تھی کی طرف چلی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ وبا (بیماری جو ہوا کے خراب ہونے سے پھیلتی ہے یعنی FLU) تھی جو یہاں سے منتقل ہوگئی۔

اس لیے بہت سے علما، مفسرین، شارحین نے یہ لکھا ہے کہ مدینہ منورہ کو اب یثرب کہنا صحیح نہیں ہے۔

نام رکھنے میں غلو کرنا

جب کسی کے گھر بچہ یا بچی پیدا ہو تو پہلا مرحلہ اس کے لیے نام کے انتخاب کا ہوتا ہے، ایسا نام جو سب کے لیے قابل قبول اور پرکشش ہو۔ خاندان کے لوگ اپنی اپنی مرضی کا نام تجویز کرتے ہیں۔ جو نام تجویز ہوتا ہے اس کے معنی پر غور نہیں کیا جاتا، حالانکہ کسی بھی نام کے اثرات اس کے معانی کے اندر پوشیدہ ہوتے ہیں اور معانی شخصی کردار کی تشکیل میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح اس کے نام سے ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ بچی یا بچہ کس مذہب اور قوم سے تعلق رکھتا ہے۔ اسی لیے معنی کے اعتبار سے اچھا نام رکھنے کا حکم دیا گیا تاکہ بچے کی زندگی کی پہلی اینٹ درست طور پر رکھی جائے۔

نام رکھنے میں غلو کی حد تک یکساں وزن کا خیال رکھا جاتا ہے یعنی سارے بچوں اور بچیوں کا نام ہم وزن ہو، حالانکہ ناموں کے سلسلے میں یہ التزام غیر ضروری ہے۔ کبھی کبھی اس کی پابندی بھونڈی معنویت پیدا کر دیتی ہے۔ ایک صاحب کے چند لڑکے ہیں، ایک کا نام شمیم ہے، دوسرے کا نام تسلیم ہے تیسرے کا نام کریم ہے، چوتھا بچہ پیدا ہوا تو انہیں یہ شوق ہوا کہ اس بچے کا نام قرآن پاک سے اسی وزن پر رکھیں گے۔ چنانچہ تلاش بسیار کے بعد انہیں سورۃ القلم میں ''زنیم'' لفظ مل گیا۔ انھوں نے بغیر معنی پر غور کیے ہم وزن نام ''زنیم'' رکھ دیا۔ کچھ دنوں بعد ان کے یہاں ایک عالم دین مہمان ہوئے۔ انھوں نے میزبان کو اپنے لاڈلے بچے کو زنیم کہہ کر پکارتے ہوئے سنا۔ اس پر انہیں بڑا تعجب ہوا کہ باپ اپنے بیٹے کو خود زنیم کہہ رہا ہے، تعجب کی بات ہے۔ لیکن تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ اس بچے کا نام ہی 'زنیم' ہے۔ چنانچہ عالم صاحب نے دریافت کیا کہ آخر آپ نے یہ نام کیوں رکھا ہے؟۔ انھوں نے بڑی مسرت کے ساتھ فرمایا کہ اصل میں میں نے اپنے اس بچے کے نام کے متعلق یہ سوچا کہ اپنے دیگر بچوں کے ناموں پر ہم وزن ایک ہی طرح کا نام ہو اور تمنا یہ بھی تھی کہ وہ نام قرآن پاک سے ہو۔ بہت تلاش کے بعد یہ نام سورۃ القلم میں مجھے مل گیا اور میں نے یہ نام رکھ دیا۔ مہمان عالم نے کہا: ابلیس، ابولہب اور فرعون بھی تو قرآن میں ہیں، کیا یہ نام کوئی رکھنا پسند کرے گا؟۔ بالآخر جب قرآن میں اس کا معنی دیکھا گیا تو

'زنیم' کے معنیٰ 'حرام زادے' کے ہیں۔ مہمان عالم نے کہا کہ کیا کوئی یہ سننا پسند بھی کرسکتا ہے۔ میزبان کو بڑی پشیمانی ہوئی اور اس بچے کا نام بدل دیا گیا، اور نثار اشرف نام رکھا گیا۔

نام بگاڑنا گناہ ہے

جہاں بچوں کا یہ حق ہے کہ ان کا نام اچھا رکھا جائے اسی طرح یہ بھی حق ہے کہ ان کو بلاتے وقت ان کے اچھے نام کا پورا لحاظ کیا جائے۔ کیوں کہ نام بگاڑنا گناہ کی بات ہے۔ قرآن پاک میں اسے بِئسَ لِاِسۡمُ الۡفُسُوۡقُ کہا گیا ہے، لہٰذا کسی کے نام کو بگاڑ کر نہیں پکارنا چاہیے۔

نام بگاڑنے کے معاملے میں خود گھر والوں کی طرف سے کوتاہی ہوتی ہے، وہ پیار میں نام کا مُخفف (Short) کرتے ہیں، پھر وہی نام بن جاتا ہے۔ اس سے پرہیز لازم ہے۔ مثلاً سلیم کو سلو، نعیم کو نمو، عمران کو عمو، اس طرح اچھا خاصا معنی خیز نام مہمل اور بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔ کچھ لوگ الگ سے کچھ مہمل سا پکارو نام رکھ لیتے ہیں، مثلاً: منا، منی، گڈو، گڑیا، ببلو، ببلی، بابو وغیرہ ان سب ناموں سے آخر بچے کی شخصیت بھلا کیا اثر پڑے گا۔ کچھ لوگ مخفف کرنے میں شرافت کا مظاہرہ کرتے ہیں تو یوں کر دیتے ہیں: مثلاً عبد اللہ کو عبدل، عبدالمنان کو منان، عبدالقدوس کو قدوس، ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کا نام پوچھا، صحابی نے کہا: 'اصرم' جس کے معنی کانٹے کے آتے ہیں۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا نام 'اصرم' نہیں بلکہ 'زرعہ' ہوگا، جس کے معنی کھیتی اور جود وسخا کے ہوتے ہیں۔ بعد میں وہ صحابی اسی نام سے معروف ہوئے۔ لہٰذا ہمیں اچھے ناموں کا التزام کرنا چاہیے۔

اللہ سے دعا ہے کہ ہمیں اولاد کی پرورش اور نام رکھنے میں اللہ اور اس کے رسول جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور خوشنودی کا لحاظ رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

(حافظ) محمد ہاشم قادری صدیقی مصباحی
امام وخطیب مسجد ہاجرہ رضویہ، جمشید پور، جھارکھنڈ
09386379632
hhmhashim786@gmail.com

☆☆☆

ماہنامہ پیغام شریعت دہلی کے کالمس کا خاکہ

☆اداریہ: مجلس ادارت کے کسی ممبر کی ادارتی تحریر
☆ضیائے قرآن: علوم قرآن/تفسیر/اصول تفسیر
☆درس حدیث: علم حدیث/توضیح حدیث/رجال
☆باب الفتاوی: استفتا/شرعی مسائل واحکام
☆سیرت وسوانح: اسلاف کرام کا تذکرہ
☆گوشہ تاریخ: تاریخی حقائق وواقعات
☆عرفان شخصیت: موجودہ علما ومشائخ سے انٹرویو
☆وفیات: متوفی کی بارگاہ میں خراج عقیدت
☆تعلیمی مسائل: دینی وعصری علوم وتعلیم سے متعلق
☆بزم خواتین: تعلیم نسواں/خواتین کی آرا۔
☆جہاں بینی: سفرنامے
☆خضر راہ: مختلف حالات پر اظہار خیال
☆شخصیت سازی: کوئز۔تحریری مقابلے
☆روبرو: مختلف مسائل پر آپ کے سوالات اور ہمارے جوابات
☆دینی وملی سرگرمیاں: خبریں اور پیش رفت
☆نقد ونظر: نگارشات پر نقد وتبصرہ
☆تبصرہ وتعارف: نئی تصنیف وتالیف پر تبصرہ
☆ربط باہم: قارئین کے خطوط

خطوط وتاثرات

(ادارہ)

مکتوب مفتی محمد قمر الحسن قمر بستوی زید مجدہ

کھول آنکھ زمیں دیکھ فلک دیکھ فضا دیکھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گرامی قدر مدیر مکرم مولانا محمد قاسم القادری صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا فیضان المصطفیٰ صاحب کے ذریعہ ''ماہنامہ پیغام شریعت دہلی'' کے اجرا کی نوید ملی، دل خوش ہوا، مولانا موصوف نے خیال ظاہر کیا کہ میں اپنے تاثر کا اظہار کروں، ایک نئے جریدے کے اجرا پر میری طرف سے دلی مبارک باد قبول فرمائیں۔ خدا کرے یہ مجلّہ ایک معیاری مجلّہ ثابت ہو، آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

محترم! بیس تیس سالوں میں دنیا میں جو انقلاب بپا ہوا ہے وہ تاریخ میں اپنی مثال آپ ہے۔ حیرت انگیز عصری ترقی نے فکر پر گہری چھاپ چھوڑی ہے۔ اور لطیفہ یہ ہے کہ اس انقلاب کے اثر سے کوئی بھی محفوظ نہیں رہ سکا۔ مذہب کی قدریں بڑی مستحکم ہوتی ہیں اور اس کی جڑیں بڑی گہرائیوں میں ہوتی ہیں جس کی وجہ سے یہ بہت کم اثر قبول کرتا ہے۔ مگر اس ترقی نے مذہب کو بھی اپنی گرفت میں لے لیا اور ماضی کے پرانے جام وسبو بدل گئے۔ سوچنے، پڑھنے، لکھنے اور بحث ومباحث کے زاویے بھی متغیر ہو گئے۔ صورت حال یہ ہے کہ:

''نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلف ایاز میں''

سہل پسندی، سطحیت اور آسانی نے ایک نیا جہان جنم دیا، یہ وقت مذہبی ترویج واشاعت کے لیے بہت ہی مفید ہے۔ اگر ہوا کا رخ پہچان کر اسی نہج پر کام کیا جائے، کوئی بھی میدان ہو، تحریری، تقریری، فکری، علمی، فقہی، ادبی اگر اس میں عہد نو کی رعایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے لوگوں کو دین کی دعوت دی جائے تو اس کے مثبت نتائج برآمد ہوں گے۔

ہندو پاک میں اہل سنت وجماعت کی کوئی تنظیم میری معلومات کے مطابق نوجوان نسل کو قریب نہیں کر پا رہی ہے جب کہ غیروں نے بہت منظّم ہو کر کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ یہ مجلّہ ''البشیر'' اگر اسی پرانی روش پر نکالا جا رہا ہے تو میرے خیال میں جیسے اور رسائل ہیں ویسے ہی یہ بھی ہوگا۔ اگر اس میں عقائد کی بحث کے ساتھ نئے طریقہ کار کو پروان چڑھایا جائے اور معمولات اہل سنت کو جاذب نظر بنا کر پیش کیا جائے تو یہ بہت بڑی بات ہوگی۔ ہمارے گرد وپیش باطل نظریات کی ایک ہوڑ ہے۔ اس کو زائل کر کے صالح نظریات، روشن عقائد، اعمال صالحہ کا کون سا آئینہ لگایا جائے کہ جس میں حق وباطل کا چہرہ واضح طور پر نظر آ سکے، یہ مدیر مسئول اور ادارتی بورڈ کی دوراندیشی سے مطالبہ ہے۔ آپ کا قاری کیا چاہتا ہے؟ وقت کیسا ہے؟ ضرورت کیا ہے؟ نظریات کیا ہیں؟ مطالبات کیا ہیں؟ یہ اور اس طرح کے ان تمام احوال وکوائف کو نظر میں رکھنا ہوگا۔ دنیا سمٹ چکی ہے فاصلے گھٹ چکے ہیں، اب آپ کو عالمی سطح پر تنقیدی نگاہ رکھنی ہوگی۔ یہ

ایک مذہبی مجلّہ ہے تو مذہبی تحفظات کی ذمہ داری بھی اس کو اٹھانی ہوگی اور نئے نظریاتی فتنوں کا جواب بھی اسی تناظر میں دینا ہوگا۔ نیویارک کے جڑواں ٹاور ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کے انہدام کے بعد دنیا نے دیکھا کہ کیا ہوا اور کیا ہو رہا ہے۔ بعض نام نہاد اسلامی تنظیموں نے اسلام کی شبیہ مسخ کر دی۔ جو مذہب پوری ذمہ داری کے ساتھ امن وشانتی کا ضامن تھا اسی مذہب کو ہوس پرستوں نے تختۂ مشق بنا کر اپنا الّو سیدھا کیا اور کر رہے ہیں۔ عام آدمیوں پر خودکش بمبار حملوں، مساجد پر، مزارات وخانقاہوں پر حتی کہ مقدس صحابہ کرام کی قبور متبرکہ کی بے حرمتی کر کے جسد مبارک کو تماشہ بنانا یہ اسلام کے منور جمالیاتی چہرہ پر کتنا بدنما داغ ہے؟ مگر ہندو پاک کے چند غیرت مند مسلمانوں کے علاوہ پوری دنیا کس خاموشی کے ساتھ دیکھ رہی ہے کہ کوئی آواز تک اٹھائی نہیں جا رہی۔ اور اب تو حد یہ ہوگئی کہ سواد اعظم کا اپنا ٹائٹل ''اہل سنت وجماعت'' بھی اسی گرداب کی نذر ہو کر رہ گیا ہے۔ یہ سب کسی باقاعدہ منظّم سازش کے تحت کیا جا رہا ہے۔ میڈیا کو مسالہ چاہیے، وہ ان ہوا خواہوں نے پورا کر دیا ہے۔ ایسے دور میں آپ نے ایک مجلّہ کا اجرا کیا ہے تو یہ بڑا سخت وقت ہے، ایسے میں اگر آپ عہدہ برآ ہو گئے اور خدا کرے کہ ہو جائیں تو ایک بہت بڑی کامیابی ہوگی۔

معاف کیجیے گا، بات شاید بہت دور نکل گئی۔ روایت یہ ہے کہ تعریفی کلمات سے نوازا جائے، مگر داستانِ غم پھر کون سنے گا؟ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے استحکام عطا فرمائے اور ثبات قدمی پر قائم رکھے۔ آمین

یہ تیرہ شبی اور یہ طوفان کا تموج
شہتیر میرے گھر کی کوئی آ کے سنبھالے (قمر بستوی)

محمد قمر الحسن قاری قمر بستوی ۱۹ر جون ۲۰۱۴
بانی وصدر بزم حسان انٹرنیشنل نعت اکیڈمی۔ ہیوسٹن امریکہ

مکتوب پروفیسر فاروق صدیقی مظفر پور

عزیز گرامی سلام ورحمت

ماہنامہ ''پیغام شریعت'' کے اجرا کی خبر سے بے حد مسرت ہوئی! لیکن میں چاہوں گا کہ اس رسالے کی اپنی ایک انفرادیت ہو، یعنی معیار واقدار دونوں لحاظ سے علمی، مذہبی اور ادبی حلقوں میں یہ اپنی جگہ بنا سکے۔ اس کے لیے روایتی انداز واسلوب سے تھوڑا ہٹ کر اپنی شناخت قائم کرنے کی کوشش ہونی چاہیے۔ سر دست اختلافی مسائل سے اس اجتناب کیا جائے تو رسالے کی صحت وبقا کے حق میں مفید ہے۔ علمی اور تحقیقی مضامین ومقالات کو اپنی اولین ترجیحات میں رکھیں۔ شعر وادب کے تعلق سے یہ کہنا چاہوں گا کہ زیادہ سے زیادہ ایک یا دو نعتیں ہوں یا ایک دو غزلیں، اور یہاں بھی معروف ومستند اساتذہ کے کلام کو جگہ دی جائے تو بہتر ہے۔ رسالے کا مجموعی مزاج ایسا ہونا چاہیے کہ تمام حلقوں کے لیے قابل قبول ہو۔ اس کا مقصد ہرگز ہرگز صلح کلیت کی ترویج واشاعت نہیں ہے۔ مسلک حق، مسلک اہل سنت وجماعت کے اقدار، افکار وعقائد اور معمولات ومراسم کی اشاعت تو بہر حال ہونی چاہیے۔ اور اس سلسلے میں فکر رضا کو ہم خضر راہ بنائیں، اسی میں کامیابی کا راز مضمر ہے

دعا گو

(پروفیسر) فاروق صدیقی سابق صدر شعبۂ اردو
بہار یونیورسٹی مظفر پور یکم مارچ۔ ۲۰۱۶ء

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اپنے خطوط اور تاثرات اس پتے پر ای میل کریں
Paighameshariat@gmail.com
رابطہ: (مولانا) محمد آفتاب عالم مصباحی
09654336678

تہنیت

مکتوب ڈاکٹر غلام جابر شمس صاحب ممبئی

یہ سن کر انتہائی دلی مسرت ہوئی کہ بائیس خواجاؤں کی چوکھٹ دہلی شریف کی سرزمین سے ماہنامہ 'پیغام شریعت' کا اجرا کیا جارہا ہے۔ وقت کا بدلتا ہوا تیور اور حالات کی سنگین صورت حال بتارہی ہے کہ ایمانی فراست، دینی حرارت اور باحمیت ذہن وضمیر رکھنے والے اہل علم غبار افق اور نوشتۂ دیوار کو پڑھیں اور دین وشریعت، علم وادب اور قوم وملت کی راست رخ پر رہنمائی کریں۔ مجھے قوی امید ہے کہ رسائل و جرائد کی دنیا میں ماہنامہ 'پیغام شریعت' دہلی اس سمت میں ایک مثبت اور مؤثر قدم ثابت ہوگا۔

میں دل کے ہر زاویے سے مبارک باد پیش کرتا ہوں علوم سنت وشریعت پر گہری نظر رکھنے والے حضرت مفتی محمد فیضان المصطفیٰ قادری زید مجدہ، فعال اور بیدار ذہن کے مالک حضرت علامہ طارق انور مصباحی، نظم وضبط اور ہمہ جہت توجہات کے حامل مولانا محمد قاسم القادری اور ان کے تمام احباب ورفقا کو، جنہوں نے بر وقت یہ ذہن ساز اقدام کیا ہے۔ خدا کرے کہ یہ کاروانِ شوق حسن نیت، دولت اخلاص اور مستقل مزاجی کے ساتھ دیر تک اور دور تک سرگرم سفر کرتا رہے۔ آمین بحرمۃ النبی الاکرم صلی تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

نذرِ قارئین

مولانا محمد آفتاب عالم مصباحی دہلی

محترم قارئین کرام!

ماہنامہ ''پیغام شریعت'' کا یہ شمارہ ہماری ابتدائی کد وکاوش کا نتیجہ ہے۔ اس کے ذریعے ہمارا مقصد آپ کے دینی وعلمی ذوق کی تسکین کے لیے فکری، علمی، دینی، معلوماتی اور تحقیقی مواد فراہم کرنا، غیر جانبدارانہ اسلامی صحافت کو فروغ دینا اور تعلیماتِ رضا کو عام کرنا ہے۔ اسی مقصد کے پیش نظر ہم نے چند نوجوان علما اور اصحابِ بصیرت اہل قلم کے فکری اور تحقیقی مضامین کو رسالے کی زینت بنایا ہے۔ ہماری یہ سعی کس حد تک بارآور ہوئی ہے۔ خوبیاں اور خامیاں کیا ہیں؟ فیصلہ آپ کے اوپر ہے۔ آپ کے تأثرات، خطوط، فون، اور ای میل اس کی وضاحت کریں گے۔ مجھے امید ہے کہ اصحابِ فکر اہل قلم خصوصاً نوجوان علما اس صحافتی سفر میں ہمارے شریک رہیں گے۔ اور ہمارے بزرگ علما اور مشائخ ہمیں اپنی نصیحتوں اور دعاؤں سے محروم نہیں رکھیں گے۔

اگر آپ تحریر وقلم کا ذوق رکھتے ہیں تو صفحہ ۵۱ پر دیے گئے کالمز میں سے اپنی پسند کے کسی ایک کالم کا انتخاب کر لیجیے، یا اپنے خیالات وتاثرات یا کسی مضمون پر تبصرہ سے نوازیے۔ ادارہ آپ کے نگارشات کا شکر گزار ہوگا۔ شخصیات کے کالم میں ادارہ ہر شمارے میں صرف ایک مضمون شائع کرے گا جو جامع ہو، لہٰذا شخصیات پر مضمون لکھنے والے حضرات پہلے راقم الحروف سے رابطہ کرلیں۔

نگارشات اس پتے پر بھیجیں:: ماہنامہ پیغام شریعت مکان نمبر 442، گلی سروتے والی، ٹیامحل جامع مسجد دھلی۔6۔

یا اس پر ای میل کریں paighamesahriat@gmail.com

Mobile (Aftab Misbahi) : 09654336678 Office: 011.23260749